جلد ۷

اِصلاحی مجالِس

بسلسلہ تہذیبِ اخلاق و تربیتِ باطن

"صبر" ایک عظیم عبادت

ایک تکلیف اور تین ثواب

تکالیف ترقی درجات کا سبب ہیں

- مصیبت میں نورانیت
- راحت حاصل کرنے کا طریقہ
- تفویض کی حقیقت
- توکل کی حقیقت

حضرت مولانا مُفتی مُحمّد تقی عُثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی مجالس

۷

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مجالس	❁	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب	❁	محمد عبداللہ میمن استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔
مقام خطاب	❁	جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب	❁	رمضان المبارک / بعد نماز ظہر
اشاعت اول	❁	2011ء
ناشر	❁	میمن اسلامک پبلشرز
باہتمام	❁	محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-920 54 97
کمپوزنگ	❁	عبدالماجد پراچہ
قیمت	❁	=/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر:

ملنے کے پتے

☆ میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔:0322-241 88 20

☆ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔ ☆ مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

☆ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔

☆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔

☆ مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

☆ مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

عرضِ مرتب

استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، اللہ جل شانہ نے علم ظاہری و باطنی دونوں سے نوازا ہے، ایک طرف آپ شیخ الحدیث ہیں تو دوسری طرف آپ پیر طریقت بھی ہیں، جس طرح طبیب جسمانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں، اسی طرح آپ روحانی بیماریوں کا علاج فرماتے ہیں، اور اس وقت سینکڑوں روحانی مریض آپ کے زیر علاج ہیں۔

''رمضان المبارک'' کو اصلاحِ باطن کے لئے خاص مناسبت حاصل ہے، اس لئے حضرت والا مد ظلہم نے اصلاح باطن کی مجالس کے لئے اس مہینے کو منتخب فرمایا، چنانچہ کئی سالوں سے رمضان المبارک میں بعد نماز ظہر اصلاحی مجالس کا سلسلہ جاری ہے، اور سینکڑوں طالبین اصلاح اس مجلس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

احقر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی صحبت اور آپ کے قرب کی عظیم نعمت سے محض اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے، چنانچہ اس قرب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احقر نے وہ مجالس ریکارڈ کر لیں، اور اب ان حضرات تک ان مجالس کو پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو دور ہونے کی وجہ سے براہ راست ان مجالس سے فیضیاب نہیں ہوئے، اب ان مجالس سے اٹھانا، اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگیوں میں تبدیلی لانا آپ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے، آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مجھے اور آپ سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبداللہ میمن

دار العلوم کراچی ۱۴، ۹ ر شعبان ۱۴۲۱ھ

اجمالی فہرست

اصلاحی مجالس   جلد نمبر : ۷

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

خوف کے درجات

مجلس نمبر ۱

عنوان	صفحہ نمبر

امید کے درجات

مجلس نمبر۲

''صبر'' ایک عظیم عبادت

مجلس نمبر ۳

عنوان	صفحہ نمبر

''تکالیف'' ترقی درجات کا سبب ہیں

مجلس نمبر ۵

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

نعمتوں پر شکر ادا کریں

مجلس نمبر 101

عنوان	صفحہ نمبر
ہر نعمت کو اپنی لیاقت سے زیادہ تصور کرنا چاہئے	۱۵۵
نعمتوں پر اترانا اچھی بات نہیں	۱۵۶
قارون کی طرح نعمت کو اپنی محنت کا نتیجہ تصور کرنا	۱۵۶
ہر نعمت پر شکر کی عادت ڈالو	۱۵۷
اللہ کا شکر شیطان کے داؤ سے بچاتا ہے	۱۵۸
زبان سے شکر کا طریقہ	۱۵۸
رات کو سونے سے پہلے یہ عمل کرلو	۱۵۹
حمد اور شکر کے بہترین کلمات	۱۶۰
حمد و تعریف کے عمدہ کلمات	۱۶۱
نعمت کو گناہوں میں استعمال مت کرو	۱۶۲
یہ آنکھ کی نعمت کی ناشکری ہے	۱۶۳
خلاصہ	۱۶۴

کونسا ہدیہ اللہ کی نعمت ہے؟

مجلس نمبر ۸

عنوان	صفحہ نمبر
تمہید	۱۶۷
ایک طالب اصلاح کا خط	۱۶۷
دوسرے کے احسان کی وجہ سے گرانی	۱۶۸
آج کل شیخ سے یہ کام لئے جاتے ہیں	۱۶۸
کہیں یہ ناشکری تو نہیں ہے؟	۱۶۸

راحت حاصل کرنے کا طریقہ

مجلس نمبر ۹

مفوض کامل کی پہچان

مجلس نمبر 104

عنوان	صفحہ نمبر

اسباب کی موجودگی میں ''توکل'' مطلوب ہے

مجلس نمبر107

توکل کی حقیقت

مجلس نمبر 109

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خوف کے درجات

مجلس نمبر 95

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
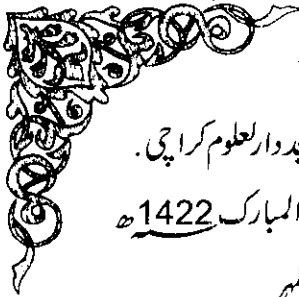
مقام خطاب	:	جامع مسجد دار العلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	95

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

خوف کے درجات

مجلس نمبر 95

الحمد لله ربّ العلمين ، والعاقبة للمتقين ، والصّلاة والسّلام على رسوله الكريم ، و على آله اصحابه اجمعين ، اما بعد!

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ایک ''خوف'' تو بمعنی عقلی عذاب ہے، یہ تو شرط ایمان ہے، اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت آیات اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے، یہ درجہ فرض ہے، اس کے فقدان سے کفر نہ ہوگا، ہاں! گناہ ہوگا۔ اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات واشتغال سے آیات وعید اور عظمت وجلال حق کو ہر دم مستحضر اور پیش نظر رکھا جائے، یہ درجہ مستحب ہے، اور سب درجات مکتسب ہیں، جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں، اور ان سے آگے ایک اور درجہ

ہے، جو اختیار سے باہر ہے، وہ یہ کہ آثار خوف اس قدر غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہے تو اختیار و قدرت سے باہر ہو، یہ محض وہبی ہے، جو درجات سابقہ مکتسبہ کے حاصل کرنے کے بعد محض عطاءِ حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے، ایسا ہی اس کے مقابلے میں ''رجا'' کے بھی درجات ہیں، ایک درجہ شرط ایمان بمعنی احتمال نجات، اور ایک درجہ فرض ہے، اور ایک درجہ مستحب ہے، اور ایک درجہ محض وہبی ہے'' (انفاس عیسیٰ، ص:۲۰۶)

اللہ کا خوف مطلوب ہے

اس چھوٹی سی عبارت میں حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''خوف'' اور ''رجا'' کے سارے درجات کا بیان فرما دیا۔ پہلے ''خوف'' کے درجات بیان فرمائے ہیں، اور پھر ''رجا'' کے درجات بیان فرمائے ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ایک مؤمن کے اندر یہ دونوں چیزیں ہونی ضروری ہیں ''الایمان بین الخوف الرجاء'' قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے کا ذکر ہے، اس لئے یہ ''ڈرنا'' مطلوب ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النزعٰت: ۴۰، ۴۱)

لہٰذا انسان اس بات سے ڈرے کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، یہ ''ڈر'' مطلوب ہے۔

خوف کا پہلا درجہ شرط ایمان ہے

لیکن اس ''ڈر'' کے درجات مختلف ہیں، ''ڈر'' اور خوف کا ایک درجہ تو وہ ہے جو شرط ایمان ہے، اگر ''خوف'' کا یہ درجہ حاصل نہ ہو تو وہ آدمی مؤمن ہی نہیں، بلکہ کافر ہے، وہ خوف کیا ہے؟ وہ ''خوف'' یہ ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کا احتمال ہو کہ شاید مجھے کہیں اللہ تعالیٰ میری بدعملی پر عذاب نہ دیدے، اور میرے کسی گناہ اور ناجائز عمل کی بنا پر مجھے مورد غضب نہ بنالے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس بات پر ایمان ہونا کہ اگر کوئی شخص کفر کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوگا، لہٰذا خدا نہ کرے اگر میں بھی کفر میں مبتلا ہوا تو مجھ کو بھی عذاب ہوگا، اس بات پر اعتقاد ''شرط ایمان'' ہے، اگر کسی کو یہ اعتقاد حاصل نہ ہو تو وہ مؤمن ہی نہیں، گویا کفر پر عذاب کا ترتب ہونا اور یہ احتمال دل میں رہنا کہ کہیں میں مورد عذاب نہ بن جاؤں، یہ احتمال دل میں رہنا ''شرط ایمان'' ہے، اگر یہ اعتقاد نہیں تو ایمان ہی نہیں، بہرحال! یہ ''خوف'' کا ادنیٰ درجہ ہے، جو مدار ایمان ہے۔

خوف کا دوسرا درجہ فرض ہے

''خوف'' کا دوسرا درجہ حضرت والا نے جو بیان فرمایا، وہ یہ ہے کہ جب دل میں گناہ کا تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو، یا گناہ کا کوئی موقع سامنے آجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اپنے آپ کو اس گناہ سے بچانا۔ مثلاً دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں جھوٹ بولوں، اب اس وقت یہ تصور کرنا کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہے، اور اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے، اس

عذاب کا تصور اور استحضار کر کے اپنے آپ کو اس جھوٹ سے بچانا ”خوف“ کا یہ درجہ فرض ہے، اگر ”خوف“ کا یہ درجہ کسی انسان کو حاصل نہ ہو تو وہ کافر تو نہیں ہوگا، لیکن فرض کا تارک کہلائے گا، گویا کہ وہ شخص ایسا ہے جیسے اس نے فرض نماز چھوڑ دی، فرض روزہ چھوڑ دیا، یا مثلاً دل میں بدنظری کا تقاضا پیدا ہوا، اس وقت اپنے دل میں بدنظری کے عذاب کا استحضار کر کے اس عذاب سے ڈر کر اپنے آپ کو اس ”بدنظری“ سے بچانا فرض ہے، اب اگر اس نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کا استحضار نہ کیا، اور وہ گناہ کر گزرا تو وہ شخص فرض کا تارک ہوا، جیسے فرض نماز اور فرض روزے کا تارک۔

خوف کا نتیجہ مقصود ہے

یہی وہ بات ہے جس کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اور اس ڈر کے نتیجے میں اپنے نفس کو خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنے سے روک دے تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ ”خوف“ بذات خود مقصود نہیں، بلکہ ”خوف“ کا نتیجہ مقصود ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف ہو، اور اس کے نتیجے میں انسان اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چلنے سے روک دے، یہاں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ وہ ”خوف“ جو انسان کو نفسانی

خواہشات کے پیچھے چلنے سے روک دے، خوف کا یہ درجہ فرض ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ خوف کا یہ درجہ حاصل کرے، اگر کسی کو خوف کا یہ درجہ حاصل نہیں ہے تو وہ فرض کا تارک ہے۔

گناہ ہونا جیسے پہاڑ کا ٹوٹ پڑنا

جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، اگر ان سے شریعت کے خلاف کوئی عمل ہو جائے تو ان پر ایسا گراں ہوتا ہے، جیسے ان کے اوپر پہاڑ ٹوٹ پڑا،

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود
گر ز باغِ دل خلالے کم بود

یعنی سالک کے دل پر ہزاروں غم طاری ہو جاتے ہیں، اگر اس کے دل کے باغ میں سے ایک خلال بھی کم ہو جائے، اور ایک گناہ بھی سرزد ہو جائے۔ اور جو شخص فاسق و فاجر ہے، اس سے اگر گناہ ہو جائے تو وہ اس کی نظر میں ایسا ہے جیسے کوئی مکھی اس کی ناک پر بیٹھی اور اس نے اس کو اُڑا دیا، اس کو اس گناہ کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہوتی، یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے، لہٰذا یہ ڈر کہ میں گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے کھڑا ہوں گا، کیا منہ لے کر جاؤں گا، ڈر کا یہ درجہ فرض ہے، اس کی تحصیل ضروری ہے، اگر حاصل نہیں ہے تو اس کو حاصل کرو۔

خوف کو حاصل کرنے کا طریقہ

اب ڈر کا یہ درجہ کیسے حاصل ہو؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات تلاوت کرو جس میں جہنم کے عذاب کا ذکر ہے، وہ احادیث پڑھو جس میں

اللہ کے عذاب کا تذکرہ ہے، اس کا استحضار کرو، اس کا تصور کرو، اس کے نتیجے میں دل کے اندر یہ "خوف" پیدا ہوگا۔

خوف کا تیسرا درجہ مستحب ہے

خوف کا تیسرا درجہ وہ ہے جس پر نہ تو ایمان موقوف ہے، اور نہ وہ فرض ہے، بلکہ وہ درجہ مستحب ہے، وہ یہ کہ ابھی گناہ کا تقاضا دل میں نہیں ہے، نہ گناہ کا داعیہ ہے، اور نہ موقع ہے، لیکن اس کے باوجود دل و دماغ میں یہ دھیان اور فکر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا پاؤں پھسل جائے، اور میں گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں، اور پھر مجھے عذاب کا سامنا کرنا پڑے، لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کھٹکا دل مین رہے، اور اس کے نتیجے میں گناہ کا موقع آنے سے پہلے ہی گناہ سے بچ جائے، یہ خوف مستحب ہے۔

مستحب خوف کی مثال

اس کی مثال یہ سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے، جو بڑا شریر ہے، اب ایک صورت تو یہ ہے کہ استاذ ڈنڈا لے کر اس بچے کے سر پر کھڑا ہو، اور اس سے کہے تو شرارت سے باز آجا، چنانچہ وہ بچہ مار کے ڈر اور خوف کے نتیجے میں شرارت سے باز آگیا۔ دوسرے یہ کہ استاذ اس کے اوپر ڈنڈا لے کر کھڑا نہ ہو، لیکن اس بچے کے دماغ میں ہر وقت یہ تصور ہو کہ میں استاذ کی نگرانی میں ہوں، اگرچہ اس وقت تو استاذ مجھے نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن کسی بھی وقت استاذ مجھے شرارت کرتے ہوئے دیکھ لیں گے، اور مجھے سزا دیں گے، تو یہ کھٹکا جو اس بچے کے دماغ پر چھایا

ہوا ہے، یہ خوف کا تیسرا درجہ ہے،

اس کا نام ”خلش“ اور ”تقویٰ“ ہے

لہٰذا یہ کھٹکا کہ مجھ سے کہیں گناہ نہ ہو جائے، کہیں میں پھسل نہ جاؤں، کہیں غلطی نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، یہ خوف کا تیسرا درجہ ہے، جس کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ”خلش“ سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور حضرت فرماتے تھے کہ ”تقویٰ“ کا ترجمہ ہے ”خلش“ یعنی کھٹک دل میں ہے کہ کہیں مجھ سے گناہ نہ ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے محروم فرما دیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے۔

انبیاء ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں

دیکھئے! انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈر رہے ہیں، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رہے ہیں، گڑگڑا رہے ہیں، وہ کس بات پر رو رہے ہیں؟ جبکہ گناہوں سے معصوم ہیں، گناہ تو ان سے سرزد ہی نہیں ہو سکتا، اس کے باوجود رو رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو میری آنکھ کھلی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا، اندھیرا تھا، اس لئے میں نے ہاتھ سے ٹٹولا کہ آپ کہاں ہیں، تو میرا ہاتھ آپ کے پائے مبارک کے انگوٹھے پر پڑا، اس وقت آپ سجدے میں پڑے ہوئے تھے، اور یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ، لَآاُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

اے اللہ! میں آپ کی رضا مندی کی پناہ مانگتا ہوں آپ کی ناراضگی سے، اے اللہ! آپ سے معافی کی پناہ مانگتا ہوں آپ کے عذاب سے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کس چیز کی پناہ مانگ رہے ہیں؟ جبکہ آپ کے بارے میں یہ اعلان ہو چکا ہے کہ:

لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَأَخَّرَ (الفتح: ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیے۔ اولاً تو آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر کوئی بھول چوک ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ہم نے سب معاف کردیے، اس کے باوجود رات کو سجدے میں پڑے ہوئے رضا مندی طلب کررہے ہیں، اور ناراضگی سے پناہ چاہ رہے ہیں۔

انبیاء کو ڈر کیوں؟

یہ سب کیوں ہے؟ دراصل وہی کھٹک ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا استحضار ایسا ہے کہ ہر وقت یہ خطرہ لگا ہوا ہے کہ کہیں کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے خلاف مجھ سے سرزد نہ ہوجائے، جو اس کے شایان شان نہ ہو، اس لئے کہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ" جو عمل ان کی شان کے خلاف ہوگا تو وہ میرے لئے گناہ ہی ہے، یہ "خلش" ہے، اور ڈر کا وہ درجہ ہے جو مستحب

ہے، اور جس کو حاصل کرنا چاہئے، اس لئے کہ جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک ''خوف'' کا فرض درجہ حاصل کرنا بھی مشکل ہے، اس لئے یہ ''کھٹک'' حاصل کرنی ہے۔

تعمیر کعبہ کے وقت اللہ سے ڈر

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر فرما رہے ہیں، اتنا بڑا عمل انجام دے رہے ہیں کہ قیام قیامت تک جتنے لوگ اس بیت اللہ میں عبادت کریں گے سب کا اجر وثواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے، لیکن بیت اللہ کی تعمیر کے وقت زبان پر یہ دعا جاری ہے:

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَاوَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمِ

(البقرۃ:۱۲۸)

اے اللہ ہمیں مناسک حج کا علم عطا فرما دیجئے، اور ہماری توبہ کو قبول فرما لیجئے، آپ توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ توبہ تو کسی گناہ سے کی جاتی ہے، جبکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کر رہے ہیں، ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ایک معبد تعمیر کر رہے ہیں، لیکن اس وقت بھی دعا یہ کر رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے معاف کر دیجئے، ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ دل میں کھٹکا لگا ہوا ہے کہ میں یہ عمل کر تو رہا ہوں، مگر میرا یہ عمل اللہ جل شانہ کے شایان شان ہے یا نہیں؟ کوئی کام ایسا نہ ہو جائے جو اس کی شان کے خلاف ہو، اور اس کے نتیجے میں کہیں اللہ کے غضب کا مورد نہ بن جاؤں، سارے انبیاء علیہم

السلام مغفرت مانگ رہے ہیں، کیوں؟ دراصل یہ کھٹک ہے جس کو حضرت والا "خلش" سے تعبیر کر رہے ہیں، اسی خلش کا نام "تقویٰ" ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔

مستحب درجہ فرض درجے کے حصول کا ذریعہ

"خوف" کا یہ درجہ مستحب ہے کہ انسان کے دل میں ہر وقت یہ کھٹک اور خلش رہے، یہ فرض نہیں، اس لئے کہ اگر فرض کہہ دیں گے تو پھر اگر ایک لمحہ کے لئے بھی "خوف" جاتا رہا تو ہم فرض کے تارک ہو جائیں گے، لہٰذا اس کو فرض تو نہیں کہیں گے، لیکن یہ ایسا مستحب ہے کہ اگر اس کا اہتمام نہ کیا جائے تو فرض کی ادائیگی بھی مشکل ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ہماری آسانی کے لئے اس کو فرض قرار نہیں دیا کہ یہ لوگ کمزور ہیں، اور ہر وقت خوف کا استحضار نہ رکھ سکیں گے۔ البتہ اس کو مستحب قرار دیدیا، کیونکہ اگر ہر وقت اللہ کا خوف مستحضر نہ ہو تو گناہ کے تقاضے کے وقت خوف کو مستحضر کرنا مشکل ہوگا۔

ہر وقت جہنم کا استحضار کرو

اس لئے کہ ایک طرف گناہ کا تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو رہا ہے، اور دوسری طرف تم عذاب کا استحضار لانا چاہ رہے ہو، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں سے جو قوی ہوگا وہ جیت جائے گا، اگر گناہ کا داعیہ قوی ہوگا تو وہ انسان کو گرا دے گا، اور تم عذاب کا استحضار اپنے ذہن میں لانے کی فکر میں ہی رہو گے، اور وہ اپنا کام کر جائے گا۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہر وقت دل میں جہنم

کے عذاب کا استحضار رہے، اگر وہ دل میں رہے گا تو اس کے اندر پائیداری ہوگی، اور پائیداری کے نتیجے میں اس کے اندر قوت زیادہ ہوگی، اور اس قوت کے نتیجے میں وہ گناہ کے تقاضے پر غالب آجائے گا، اور اس تقاضے کو دبا دے گا۔ بہر حال! خوف کے اس درجہ کا نام تو "مستحب" ہے، لیکن یہ "مستحب" ایسا ہے کہ اس کے بغیر فرض کی ادائیگی بھی مشکل ہے، لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور کیا کرو۔

اپنی موت کا مراقبہ کیا کرو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت نکال کر یہ تصور کیا کرو کہ میری روح پرواز کرگئی ہے، اور مجھے موت آگئی ہے، اور میں قبر میں چلا گیا، اور پھر وہاں میرے ساتھ یہ معاملات پیش آئے، قبر میں فرشتے آئے، انہوں نے مجھ سے سوالات کئے، میں نے جواب دیئے، پھر حشر کے میدان میں مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اور میرے اعمال میرے سامنے آرہے ہیں، اور جنت بھی میرے سامنے ہے، اور جہنم بھی میرے سامنے ہے۔ روزانہ تھوڑی دیر بیٹھ کر ان باتوں کا تصور کیا کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ

"حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا"

وہ حساب تو اپنے وقت پر ہوگا، اس سے پہلے اپنا حساب خود کرلیا کرو۔ اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ دل میں وہ خلش اور کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ

اپنے فضل سے ہم سب کے دل میں یہ خلش پیدا فرمادے، آمین۔

یہ تینوں درجات کسبی ہیں

آگے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ "خوف" کے یہ تینوں درجات جو میں نے بیان کئے، ان میں پہلا شرط ایمان ہے، دوسرا فرض ہے، تیسرا مستحب ہے، یہ تینوں درجات کسبی ہیں، اور اختیاری ہیں، ان کو حاصل کرنا اختیار سے باہر نہیں، بلکہ انسان اپنی محنت سے، کوشش سے اور مشق سے یہ تینوں درجات حاصل کرسکتا ہے، البتہ "مستحب" درجے سے شروع کرو، اس لئے کہ سیڑھی یہی ہے، اس کے نتیجے میں فرض کا درجہ اور شرط ایمان والا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

خوف کا چوتھا درجہ جو وہبی ہے

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ خوف کا ایک چوتھا درجہ ہے، جو وہبی اور غیر اختیاری ہے، اور کسب سے باہر ہے، اس لئے وہ درجہ مأمور بہ بھی نہیں ہے۔ اگر خوف کا یہ درجہ کسی کو حاصل نہ ہو تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، اگر حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، وہ درجہ یہ ہے کہ انسان پر خوف کے آثار اس حد تک غالب ہو جائیں کہ اگر وہ بھلانا بھی چاہے تو نہ بھلا سکے، مثلاً یہ کہ ہر وقت سامنے جہنم نظر آرہی ہے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کا استحضار ہے، اور اس حد تک ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دماغ سے نکالنا چاہے تو نہ نکال سکے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ جو آتا

ہے کہ "کَانَ دَائِمَ الْفِکْرَةِ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ" یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کسی سوچ میں رہتے تھے، اور ایک غم کے بعد دوسرا غم آپ کے دل ودماغ پر چھایا رہتا تھا، یہ فکر کس چیز کی تھی؟ یہ امت کی فکر تھی، اللہ جل شانہ کی رضا حاصل کرنے کی فکر تھی، امت کو عذاب سے بچانے کی فکر تھی، یہ سارے افکار تھے، اور ان افکار کو بھلانے کے باوجود وہ نہیں بھولتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۳)

کیا آپ اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ پر امت کی فکر اس درجہ غالب تھی کہ گویا جان ہلاک ہونے والی نظر آتی تھی، اور بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی کے باوجود وہ فکر دماغ سے نہیں نکلتی تھی، یہ دراصل غیر اختیاری فکر تھی، جس طرح یہ فکر انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا پیغام پھیلانے والوں کو بھی ہوتی ہے، اور یہ فکر ایسی ہوتی ہے کہ اگر انسان کسی وقت اپنے آپ کو اس سے فارغ کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں دعوت کا جذبہ اس طرح رکھ دیا تھا، جیسے انسان کے اندر حوائج طبعیہ ہوتے ہیں، جیسے بھوک لگ رہی ہو تو انسان کو کھائے بغیر چین نہیں آتا، پیاس لگ رہی ہو تو پانی پیے بغیر چین نہیں

آتا، اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دیئے بغیر چین نہیں آتا تھا، ہر وقت دل و دماغ پر دعوت کی فکر مسلط رہتی تھی کہ فلاں تک کس طرح حق بات پہنچا دوں، فلاں کو کس طرح گمراہی سے نکال دوں، فلاں کو کس طرح راہ راست پر لے آؤں۔ بہرحال! انبیاء علیہم السلام کے وارثوں کو بھی یہ فکر ہو جاتی ہے، اگر انسان اس کو اپنے ذہن سے نکالنا بھی چاہے تو نہیں نکال سکتا، اس لئے یہ حالت غیر اختیاری اور وہبی ہے، اگر حاصل ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور نعمت ہے، لیکن اگر حاصل نہ ہو تو کوئی نقص بھی نہیں، اس لئے اس کو حاصل کرنے کی فکر میں زیادہ پڑنے کی ضرورت نہیں، البتہ "خوف" کے جو پہلے تین درجے ہیں، ان کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

خوف حاصل کرنے کا طریقہ

اور خوف کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ تصور کیا کرو کہ میری روح نکل گئی ہے، اب مجھے غسل دیا جا رہا ہے، اب کفن پہنایا جا رہا ہے، اب میری نماز جنازہ ہو رہی ہے، اب قبر کی طرف مجھے لے جا رہے ہیں، اب مجھے قبر کے اندر لٹا دیا گیا، قبر بند کر کے لوگ چلے گئے، اب فرشتے آ گئے، اب سوال و جواب شروع ہو گیا، پھر عالم برزخ شروع ہو گیا، پھر قیامت قائم ہو گئی، اب میزان عمل قائم ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں، اعمال کا وزن ہو رہا ہے۔ یہ تصور کیا کرو، اور دنیا کی بے ثباتی کا تصور کیا کرو۔

یہ کتاب بار بار پڑھو

ہمارے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ان کی سب سے زیادہ مقبول کتاب جس سے سب سے زیادہ

فائدہ پہنچا، وہ ہے "مرنے کے بعد کیا ہوگا؟" یہ بڑی اچھی کتاب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں اس کتاب کا فیض پھیلا دیا، لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہی ہے کہ اس کو پڑھ کر ذرا سوچو کہ یہ زندگی جو صبح سے شام تک گزر رہی ہے، بس یہی زندگی نہیں ہے، بلکہ ایک اور زندگی مرنے کے بعد آنے والی ہے، جب آنکھ بند ہوگی تو پھر کیا ہوگا؟ اس کتاب کو بار بار پڑھو، اس کے نتیجے میں موت اور بعد الموت کے مناظر تمہارے سامنے آئیں گے، اس سے "خوف" کا استحضار پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

وطن کا شوق پیدا کرو

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے، جس کا نام ہے "شوقِ وطن" وطن سے مراد آخرت ہے، یعنی ہر مسلمان کے دل میں یہ بات رہنی چاہیے کہ یہ دنیا تو میرا مسافر خانہ ہے، اصل وطن تو آخرت ہے، اس کا شوق ہونا چاہیے، اس شوق کو پیدا کرنے کے لئے حضرت والا نے یہ رسالہ لکھا ہے، اس رسالہ کو پڑھو، اس کے پڑھنے سے "خوف" کا استحضار ہوگا۔ اور اگر روزانہ عشا کی نماز کے بعد دو تین منٹ کا وقت مقرر کر کے موت کا مراقبہ کرلو یا سونے سے پہلے کرلو، تو اس کے نتیجے میں انشاء اللہ تعالیٰ خوف کا مطلوب درجہ حاصل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

"بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا و الاخرۃ خیر و ابقیٰ "
(سورۃ الاعلیٰ: ۱۶،۱۷)

لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو
جبکہ آخرت کی زندگی بہت بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امید کے درجات

مجلس نمبر 96

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	96

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امید کے درجات

مجلس نمبر 96

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رسوله الکریم، وعلٰی آله وأصحابه اجمعین۔ امابعد:

تمہید

گزشتہ کل یہ بیان ہوا تھا کہ ''خوف'' کے چار درجات ہیں، جن میں سے پہلا درجہ ایمان کی شرط ہے۔ اسکے بغیر آدمی مسلمان ہی نہیں ہوتا، دوسرا درجہ ایمان کی شرط تو نہیں، لیکن فرض ہے، اور تیسرا درجہ مستحب ہے، اور یہ تینوں درجات کسبی ہیں، یعنی اختیار سے کوشش کر کے محنت کر کے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ چوتھا درجہ خوف کا وہبی ہے اور غیر اختیاری ہے۔ لہٰذا وہ مقصود نہیں۔ اسلئے اسکو حاصل کرنے کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو گزشتہ کل کے بیان کا خلاصہ تھا۔

امید کے چار درجات

اس ملفوظ کے آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''ایسا ہی اسکے مقابلے میں ''رجا'' کے بھی درجات ہیں۔
ایک درجہ شرط ایمان بمعنٰی احتمال نجات اور ایک درجہ فرض ہے،
ایک درجہ مستحب ہے اور ایک درجہ محض وہبی ہے۔''

(انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۶)

جس طرح ''خوف'' کے چار درجات تھے، اسی طرح ''رجا'' یعنی ''امید'' کے بھی چار درجات ہیں۔ پہلا درجہ جو شرط ایمان ہے، اسکے بغیر ایمان ہی کامل نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کا اعتقاد ہو کہ عین ممکن ہے کہ اللہ جل شانہ مجھے کسی سزا کے دیئے بغیر یونہی بخش دے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمادی ہے۔ تو ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ شاید میری ساری بداعمالیوں پر خط نسخ پھیر کر اللہ تعالیٰ مجھے یونہی بے حساب جنت میں داخل فرمادے۔ اس اعتقاد کا دل میں ہونا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، یہ اعتقاد ''شرط ایمان'' ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے دل میں یہ اعتقاد نہیں تو وہ شخص ایمان ہی سے محروم ہے۔

امید کا پہلا درجہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ اعلان فرمادیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ نساء)

یعنی شرک کی اللہ تعالیٰ کے یہاں معافی نہیں ہے۔ اور یہاں جس معافی کا ذکر ہو رہا ہے، وہ توبہ والی معافی کا نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ ''توبہ'' کے

ذریعے تو ''شرک'' بھی معاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ''مشرک'' تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دیدی۔ اور وہ مسلمان ہوگیا تو اسکا یہ ''شرک'' کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ اس آیت میں بغیر توبہ کے معافی کا ذکر ہو رہا ہے، جو اللہ جل شانہ محض اپنے فضل و کرم سے کسی کو معافی سے نواز دیں۔ بہر حال ہم نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو شرک کرے تو بغیر توبہ کے شرک کی معافی ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم اسکو توبہ کے بغیر کبھی بھی معاف نہیں کریں گے۔ لیکن شرک کے علاوہ جتنے نچلے درجہ کے گناہ ہیں، جس کو چاہیں گے معاف فرما دیں گے۔ نہ تو اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنیوالا ہے کہ آپ ضرور معاف کریں، اور نہ کوئی شخص آپ کی مشیت میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے کہ آپ کسی کو معاف کردیں تو کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ نے اسکو کیوں معاف کردیا؟ ان کے فیصلے میں کسی کو چوں و چرا کی مجال نہیں۔ لہٰذا یہ احتمال بدرجہ اعتقاد دل میں ہونا کہ کیا پتہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہو جاؤں جن کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بلا حساب جنت میں داخل فرمادیں گے۔ یہ احتمال اور اعتقاد دل میں ہونا ''رجا'' کا پہلا درجہ ہے اور شرط ایمان ہے۔

امید کا دوسرا درجہ

''رجا'' کا دوسرا درجہ جو ''فرض'' ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف سے کسی کام کا حکم متوجہ ہو، مثلاً نماز کا وقت ہوگیا، اذان ہوگئی، تو اب اللہ تعالیٰ کا حکم متوجہ ہوگیا کہ جاؤ، نماز ادا کرو۔ لہٰذا جب نماز کا حکم متوجہ ہوا، اگر اس وقت دل سستی کرے اور طبیعت میں سستی ہو تو

اس سستی کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دل سے کہے کہ جب اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ثواب عطا فرمائیں گے۔ اب ثواب کا تصور کر کے اس سستی کو دور کرے اور مامور بہ کو بجالائے ایسا کرنا فرض ہے۔

امید کی ایک مثال

دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ اگر وہ دل میں ثواب کا تصور نہ لاتا اور جنت کا تصور نہ لاتا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا دھیان نہ کرتا تو اس فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا۔ کیونکہ سستی نے اسکے دل پر غلبہ پالیا تھا۔ نفس وشیطان نے اسکو دبالیا تھا۔ جس کے نتیجے میں یہ اس بات پر آمادہ ہوگیا تھا کہ آج کی نماز چھوڑ دی جائے، لیکن جب اس بات کا تصور کیا کہ میں کیا کر رہا ہوں، اگر میں نفس کے تقاضے کی مخالفت کر کے نماز ادا کرنے کے لئے چلا جاؤنگا تو اللہ تعالیٰ مجھے نواز دیں گے۔ تو اس تصور نے ہمت پیدا کر دی۔ اور نماز کے لئے چلا گیا۔ تو یہ جو ''رجا'' پیدا ہوئی کہ اس نماز کے پڑھنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مجھے ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ ''رجا'' کا درجہ فرض ہے۔ اگر یہ رجا نہ ہوتی تو ایک فریضہ چھوٹ جاتا۔ لہٰذا جتنے فرائض شرعیہ ہیں۔ جیسے، نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ ان سب میں یہ امید رکھنا کہ جب ان کو بجا لاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے نواز دیں گے انشاء اللہ، ''رجا'' کا یہ درجہ فرض ہے۔

اعمال صالحہ پر ثواب کی امید

یہی وہ بات ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے احادیث میں کئی جگہوں پر اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ جس نیک عمل کی اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے

رہے ہیں۔ مثلاً وضو ہے، نماز ہے، روزہ ہے، زکاۃ ہے، حج ہے، تلاوت ہے، تسبیح ہے، ذکر واذکار ہیں وغیرہ جتنے بھی اعمال وافعال صالحہ ہیں۔ ان میں اس بات کا تصور کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کر رہا ہوں کہ میرے اس عمل کو اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اپنے فضل وکرم سے مجھے نواز دیں گے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَا نًا وَ احْتِسَا بًا

یعنی جو شخص رمضان المبارک کے روزے رکھے، کس طرح رکھے؟ ایمان کی بنیاد پر کہ دل میں ایمان موجود ہے، وہ ایمان روزے رکھوا رہا ہے، اور احتساب کی بنیاد پر، یعنی ثواب حاصل کرنے کی غرض سے روزہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل وکرم سے نواز کر ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ ''احتساب'' کیا چیز ہے؟ یہ وہی ''رجا'' ہے، یہ ثواب حاصل کرنے کی طلب ہے، اسکی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرمائیں گے، یہ امید رکھنا ''فرض'' ہے۔

''عبادت'' عادت بن گئی ہے

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بات سنی، انہوں نے بڑی اچھی بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ ہم لوگ عبادات انجام دیتے رہتے ہیں، مثلاً وضوء کر لیا، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، تلاوت کر لی وغیرہ، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ روزانہ یہ عبادات انجام دے رہے ہیں، اور روزانہ ہونے کے نتیجے میں ان کی عادت بن گئی ہے، اور عادت بن جانے کی وجہ سے اس طرف خاص دھیان بھی نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں، کیا نہیں کر رہا ہوں۔ بس ایک روٹین

بن گئی ہے، اس کے تحت عبادت ہورہی ہے، اور عادت بن جانے کی وجہ سے عبادت میں کیف اور لذت محسوس نہیں ہوتی، اور لذت سے اور کیف سے محرومی ہوجاتی ہے۔ اسلئے حضرت والا نے فرمایا کہ عبادت اس اہتمام سے ادا کرنی چاہیے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حدیث میں اجر وثواب کے جتنے وعدے فرمائے ہیں، ان اجر وثواب کا دھیان کرے۔

اس دھیان کے ساتھ وضو کرو

مثلاً آپ وضو کر رہے ہیں۔ اور دن میں آپ کئی مرتبہ وضو کرتے ہیں، لیکن وضو کرتے وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل کہیں، دماغ کہیں، دھیان کہیں، اور وضو کر کے ختم کرلیا۔ ایک عادت اور روٹین بن گئی ہے۔ لہٰذا وضو کرتے وقت جب چہرہ دھوتو یہ دھیان کرو کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب انسان وضو کرتے وقت چہرہ دھوتا ہے تو آنکھ سے کئے ہوئے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔ لہٰذا میرے وضو کرنے کے نتیجے میں میرے گناہ دھل رہے ہیں۔ اور جب ہاتھ دھوتو یہ تصور کرو کہ ہاتھ سے کئے ہوئے گناہ دھل رہے ہیں۔ جب پاؤں دھوتو یہ تصور کرو کہ پاؤں کے گناہ دھل رہے ہیں۔ جب اس تصور کے ساتھ وضو کرو گے تو اس وضو کی لذت اور کیف ہی اور ہوگا۔ اور عبادت کی حقیقی روح حاصل ہوگی۔

مسجد کی طرف اس دھیان کے ساتھ جاؤ

جب نماز کے لئے مسجد کی طرف جارہے ہوتو یہ سوچو کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی مسجد کی طرف جاتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا چلتے وقت یہ تصور کرو کہ ایک ایک قدم پر

میرے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ اور ایک ایک قدم پر مجھے نیکی مل رہی ہے۔ اس تصور سے چلو گے تو اس چلنے میں بھی ایک لطف اور مزا آئیگا۔ اور عبادت کی روح حاصل ہو گی۔

اس دھیان سے تلاوت کرو

مثلاً تلاوت قرآن کریم کر رہے ہو تو یہ سوچو کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک حرف کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ دس نیکیاں دیتے ہیں۔ ''الٓمٓ'' کی تلاوت کی تو تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ لہٰذا تلاوت کے وقت یہ تصور کرو کہ میں جو تلاوت کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری نیکیوں میں اضافہ فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ تصور کرو، نہ کہ اپنے عمل پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ اسلئے کہ عمل محض علامت ہے، علت تامہ نہیں ہے۔ بہرحال ہر عبادت پر اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں، عبادت انجام دیتے وقت ان وعدوں کا دھیان کرنا اس عبادت کی تکمیل میں معاون مفید ہوتا ہے۔ یہ ''رجا'' کا دوسرا درجہ تھا، جو فرض ہے۔

''رجا'' کا تیسرا درجہ

''رجا'' کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی پر اکثر و بیشتر اوقات میں اللہ تعالیٰ کی جنت کا خیال دل میں رہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا خیال رہے، اور اکثر و بیشتر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے تصور میں زندگی گزارے، جیسا کہ ''خوف'' کے بیان میں کہا تھا کہ اکثر و بیشتر خوف دل میں رہے، یہ ''رجا'' کا تیسرا درجہ ہے۔

''رجا'' کا چوتھا درجہ

''رجا'' کا چوتھا درجہ جو غیر اختیاری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی نعمتوں کا تصور دل و دماغ پر اتنا چھا جائے کہ کوشش کے باوجود یہ تصور زائل نہ ہو، اور آدمی ہر وقت ان رحمتوں اور نعمتوں کے تصور کے اندر مست ہو، یہ ''رجا'' کا غیر اختیاری درجہ ہے۔ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں اس کو کوئی رکاوٹ اور سستی پیدا نہیں ہو رہی ہے کہ اسکے لئے ان چیزوں کا تصور کرنا پڑ رہا ہو۔ بلکہ یہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی تو اس کے لئے طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ لیکن اسکے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے تصور میں مست ہے۔ یہ ''رجا'' کا چوتھا درجہ ہے، یہ چوتھا درجہ مقصود نہیں۔ البتہ ابتدائی تین درجات مقصود ہیں، ان کے حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

خوف ورجا کے حاصل کرنے کا طریقہ

جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ خوف کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ موت کا اور موت کے بعد کے حالات کا، اور جہنم کا مراقبہ کرنا چاہیے۔ اور رجا کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جنت کا تصور کرے، اور یہ قرآن کریم کے طرز کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں جہاں جہنم کا ذکر آیا ہے وہاں جنت کا ذکر ضرور فرمایا ہے۔ بہرحال ''رجا'' کے چار درجات ہیں، ایک شرط ایمان، دوسرا درجہ فرض، تیسرا درجہ مستحب، اور چوتھا درجہ غیر اختیاری ہے۔

امید کا پانچواں درجہ جو حرام ہے

ایک درجہ ''رجا'' کا وہ ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی اصلاح سے تو غافل ہے، حرام اور حلال کی تمیز ہی نہیں۔ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ جہاں نفس لیجا رہا ہے، اسی طرف جا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اس کے بارے میں حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

اَلْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ......

فرمایا کہ عاجز بندہ وہ ہے کہ اپنے نفس کو تو خواہشات کے پیچھے لگا لے۔ جیسی خواہش پیدا ہو رہی ہے، اسی کے مطابق کرتا جا رہا ہے۔ بے دھڑک گناہ کر رہا ہے۔ کوئی رکاوٹ دل میں نہیں ہے۔ اس سے کہو کہ یہ کام گناہ ہے تو کہتا ہے کہ ارے اللہ میاں بڑا غفور و رحیم ہے۔ رجا اور امید کا یہ درجہ حرام ہے۔ جو آدمی کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔

یہ شیطان دھوکہ میں ڈالتا ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔

(سورۃ الفاطر: ۵)

یعنی یہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ اور وہ دھوکہ باز یعنی شیطان تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکے میں نہ ڈالے۔ شیطان یہی دھوکہ دیتا ہے کہ ارے گناہ کرتے جاؤ، ابھی تو جوانی ہے، جب بڑھاپا آئے گا تو دیکھا

جائے گا۔ اللہ میاں بڑا غفور و رحیم ہے۔ سب معاف کر دے گا۔

امید کے درجات

یاد رکھیئے، جو ''امید'' انسان کو گناہ پر آمادہ کرے وہ ''رجا'' نہیں ہے۔ بلکہ وہ دھوکہ ہے، وہ غرور ہے، رجا کا یہ درجہ حرام ہے۔ بہر حال ''رجا'' میں ایک درجہ شرط ایمان، دوسرا درجہ فرض، تیسرا درجہ مستحب، چوتھا درجہ غیر اختیاری، پانچواں درجہ حرام، پہلے چار درجے حاصل کرنے ہیں۔ اور پانچویں درجے سے بچنا ہے، احتراز کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ آمین۔

خوف کا حرام درجہ

اسی طرح خوف کا ایک درجہ ''فرض'' ہے، ایک درجہ ''واجب''، ایک درجہ ''مستحب''، ایک درجہ ''غیر اختیاری''، اور ایک درجہ ''حرام'' بھی ہے۔ حرام درجہ وہ ہے جو انسان کو مایوسی میں مبتلا کر دے، یاس پیدا کر دے۔ وہ خوف حرام ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ خوف اور رجا کے اندر کتنی باریکیاں ہیں اب کون شخص ان کے درمیان امتیاز کر کے بتائے کہ تمہیں ''خوف'' کا جو درجہ حاصل ہے وہ صحیح ہے۔ اسی طرح کون یہ بتائے کہ تمہیں ''رجا'' کا جو درجہ حاصل ہے وہ صحیح ہے۔ اس کام کے لئے شیخ کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو متعین کر کے بتاتا ہے کہ اس درجے تک کا خوف صحیح ہے، اس سے آگے غلط ہے۔ شیخ کا کام ہی یہ ہے۔ بہر حال اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں چیزیں مطلوب ہیں۔ خوف بھی اور رجا بھی، تنہا ایک سے کام نہیں چلتا۔

دونوں میں برابری ضروری نہیں

البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان توازن ہمیشہ برابر ہی رہے کہ ترازو کے ایک پلّہ میں ''خوف'' رکھا، اور دوسرے میں ''رجا'' رکھی، اور دونوں کو برابر کر دیا، ایسا ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات خوف کا رجا پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات رجا کا خوف پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ خوف کے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ خوف زیادہ ہے، لیکن امید ختم نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جن بندوں کو کمال عطا فرماتے ہیں، ان کے ترازو کے دونوں پلّے برابر ہوتے ہیں۔ نہ ایک پلّہ جھکا ہوتا ہے، نہ دوسرا پلّہ جھکا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خوف اور امید

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ میرے سارے بندے جہنم میں جائیں گے، صرف ایک بندہ جنت میں جائے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہوگی کہ وہ ایک بندہ میں ہونگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ میرے سارے بندے جنت میں جائیں گے، صرف ایک بندہ جہنم میں جائے گا تو مجھے یہ ڈر ہوگا کہ وہ جہنم میں جانے والا میں ہونگا۔ تو خوف بھی کامل، اور امید بھی کامل۔ دونوں پلّے برابر تھے۔ یہ تو ان کا مقام تھا۔ لیکن ایک عام آدمی ان دونوں کے درمیان کہاں تک توازن برقرار رکھے گا، کہاں ان کے پلّے برابر رکھے گا۔ اسلئے شریعت نے ان کے درمیان برابری کرنے کا مکلّف نہیں بنایا۔ بلکہ کبھی

خوف کا غلبہ ہوگیا تو کبھی امید کا غلبہ ہوگیا۔ جب تک دوسرے کا خاتمہ نہ ہو۔ تو پھر ایک کے غلبہ ہونے سے نقصان نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات فائدہ ہوجاتا ہے۔

امید کا غلبہ زیادہ نافع ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا بھی ایک اصول بیان فرمادیا کہ:

> ''جن لوگوں میں اعمال صالحہ کا غلبہ ہو کہ وہ زیادہ تر اعمال صالحہ میں مشغول ہیں۔ اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ گو کبھی کبھی ابتلا بھی ہوجاتا ہے۔ ان پر غلبہ رجا انفع ہے۔'' (انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۵)

یعنی وہ لوگ جن پر عام طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اعمال صالحہ ان کی زندگی پر غالب ہوں، مثلاً عبادت کررہے ہیں، اللہ کے ذکر میں اور طاعات میں مشغول ہیں۔ نمازی ہیں اور ساتھ میں گناہوں سے بچنے کا بھی اہتمام ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی غفلت بھی ہوجاتی ہے۔ کبھی گناہ میں ابتلا بھی ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان پر ''امید'' کا غلبہ ہو تو انفع ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ اگر ایسے لوگوں پر خوف کا غلبہ ہوجائے تو بعض اوقات وہ مضر ہوجائے گا۔ اسلئے کہ پھر شیطان ان کو بہکاتا ہے کہ ارے میاں، سب کچھ تو کر کے دیکھ لیا، نماز بھی پڑھ لی، روزہ بھی رکھ لیا، تلاوت بھی کرلی، ذکر بھی کرلیا۔ پھر بھی ایک جگہ جا کر شیطان راستہ مار گیا، پھر بھی گناہ میں مبتلا ہوگئے۔ لہٰذا تمہاری اصلاح ممکن نہیں۔ تم ناقابل اصلاح ہو۔ لہٰذا یہ سب دھندا چھوڑو۔ بہرحال جب خوف کا غلبہ ایسے شخص کو ہوجائے تو شیطان اس کا راستہ اس طرح مار دیتا ہے۔

اور جتنا کچھ وہ کر رہا تھا اس سے بھی اسکو محروم کر دیتا ہے۔

امید کے غلبہ کا نتیجہ

اسکے برخلاف اگر ایسے شخص پر ''امید'' کا غلبہ ہوگا تو جب اس شخص سے گناہ ہوگا، غلطی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: یا اللہ، غلطی ہوگئی آپ کی رحمت سے امید ہے، آپ مجھے معاف فرمادیں۔ امید کی مشعل جلتی رہتی ہے، اس مشعل کے جلنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس شخص سے جو غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، ان غلطیوں پر تنبہ بھی ہوتا رہتا ہے، اور توبہ کی توفیق بھی ہوتی رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید بھی رہتی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کے لئے غلبہ امید انفع ہے۔ آگے ارشاد فرمایا:

غلبہ خوف زیادہ فائدہ مند ہے

> ''اور جن میں اعمال سیئہ کا غلبہ ہے کہ وہ زیادہ تر اعمال سیئہ میں مبتلا ہیں، اور اعمال صالحہ قلیل ہیں، ان کے لئے غلبہ خوف انفع ہے، جب تک کہ اعمال صالحہ کا غلبہ نہ ہو، پس جب تک اعمال صالحہ کا غلبہ نہ ہو اس وقت تک غلبہ خوف ہی میں ان کو رکھا جائے گا۔'' (انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۵)

یعنی ایسے لوگ جو گناہوں کے اندر مبتلا ہیں۔ نیک اعمال بہت کم کرتے ہیں، ان کے اندر غلبہ خوف انفع ہے، لہٰذا جب ایسے لوگوں کو دعوت دی جائے، ان سے دین کی باتیں کی جائیں تو اس میں ان کو اللہ کا خوف دلایا جائے، انبیاء علیہم السلام کو ''نذیر'' کہا گیا۔ یعنی ڈرانے والا، ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اور شرک میں پوری زندگی گزاردی، ان کو ڈراتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار اور مشرکین کو ڈرایا

چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ نے سب کو جمع فرمایا۔ تو پھر فرمایا:

اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ (القران)

ان سب کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اسلئے کہ کفر کا، شرک کا اور اعمال سیئہ کا غلبہ تھا۔ اسلئے وہاں ڈرانے کی ضرورت تھی۔ جب آدمی دین کی طرف آجائے، اور اعمال صالحہ کرنے لگے اور اسکے اعمال میں بہتری پیدا ہو جائے تو اس وقت "بشیر" (خوشخبری دینے والا) کی صفت آئیگی۔ بہرحال، حضرت نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اگر غلبہ اعمال صالحہ کا ہے تو "امید" کا غلبہ انفع ہے۔ اور اگر خدانخواستہ اعمال سیئہ کا غلبہ ہے تو "خوف" کا غلبہ انفع ہے۔ اسلئے جتنا ڈریگا، اتنا اعمال سیئہ کو چھوڑے گا۔ اور نیکی کے قریب آئیگا۔

جوانی میں خوف، بڑھاپے میں رجا

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جوانی میں "خوف" کا غلبہ انفع ہے۔ اور بڑھاپے میں "رجا" کا غلبہ انفع ہے۔ کیونکہ جوانی کے زمانے میں گناہوں کے داعیے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور قوت والے ہوتے ہیں۔ اسلئے گناہوں سے بچنے کے لئے خوف کا غلبہ زیادہ فائدہ مند ہے۔ اور بڑھاپے میں پہنچنے کے بعد گناہوں کے داعیے مضمحل ہو جاتے ہیں، اور عمر گزارنے کے نتیجے میں کچھ عقل آجاتی ہے۔ اگر اس وقت خوف کا غلبہ ہو جائے تو وہ انسان کو مایوسی کی طرف لے جاتی ہے۔ اسلئے اس

وقت انفع یہ ہے کہ رجا کا غلبہ ہو۔ لیکن بہر حال، دونوں چیزیں اپنے اپنے وقت پر ہونی ضروری ہیں۔

آج کے دور میں رجا زیادہ نافع ہے

لیکن ہمارے شیخ حضرت عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ کی دعوت میں اور اصلاح میں اور طرز عمل میں ''امید'' کا غلبہ تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کے دور میں لوگوں کو قریب لانے کے لئے امید زیادہ نافع ہے۔۔۔۔

سوئے نا امیدی مرو امید ھاست
سوئے تاریکی مرو خورشید ھاست

یعنی نا امیدی کے راستے پر مت چلو، اور تاریکی کے راستے پر مت چلو، بلکہ امید اور خورشید کا راستہ اختیار کرو، لہٰذا دین کو آسان بنا کر اور سہل بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ آج کل لوگوں کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دین پر عمل بہت مشکل ہے، اگر ہم دین پر چلیں گے تو پہاڑ ڈھونے پڑیں گے۔ اور قیامت آجائے گی، آسمان ٹوٹ جائے گا، یہ سب شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیالات ڈالے ہوئے ہیں۔ اسکے نتیجے میں لوگ دین پر ایک قدم چلنے سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

لوگوں کو پہلے قریب لاؤ

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے دانہ ڈال کر لوگوں کو قریب لاؤ، اسکے لئے آسان راستہ سے کام شروع کرو، ایک دم سے اس پر بوجھ مت ڈالدو۔ اسکے نتیجے میں اسکے اندر دین کی طرف آنے کا شوق پیدا

ہوگا، رغبت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ نے نیکی کی یہ خاصیت رکھی ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے۔ لہٰذا جب ایک نیکی کرنے کی توفیق ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ دوسری نیکی کرنے کی بھی توفیق دیدیں گے۔ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا۔

آسانی کا راستہ بتاؤ

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''خوف'' کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب مجلس مین بیان ہوتا تو اس میں خوف کی باتیں بھی ہوتی تھیں۔ لیکن غلبہ ''امید'' اور ''رجا'' کا رہتا تھا۔ اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کا غلبہ رہتا تھا۔ تاکہ لوگ قریب آئیں۔ ہر ایک کے اپنے اپنے اصلاح کرنے کے طریقے ہیں۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر رست

لیکن ہم نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں فائدہ دیکھا، اس میں کوئی شک نہیں، وہ یہ کہ لوگ کھنچ کھنچ کر آتے تھے۔ جو ایک مرتبہ جال میں آگیا، وہ پھر نکلتا نہیں تھا۔ اسلئے لوگوں کو اپنے قریب کرنے کے لئے آسانی کا راستہ بتادیتے تھے۔

دو دن برابر نہ ہونے چاہئیں

ایک ملفوظ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''آج کل عملی خرابی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص عمل کے اعتبار سے جس حالت میں ہے، وہ اس پر قناعت کئے

ہوئے ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے اندر کوئی نقص نہیں، تغیر اور
تبدل کی حاجت نہیں، یہ خشیت وفکر اور ذہن کی کمی ہے۔"

(انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۷)

یہ بڑی بات بیان فرمائی ہے، اور ہمارا بہت بڑا مرض پکڑا ہے کہ جو شخص جس حالت میں ہے وہ اس پر قناعت کئے ہوئے ہے، اصل معاملہ تو وہ ہے جو کسی نے کہا کہ

"مَنِ اسْتَوىٰ يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ۔"

یعنی جس کے دو دن کل اور آج برابر ہو گئے یعنی آج کا دن بھی ویسا ہی گزرا جس طرح کل کا دن گزرا تھا۔ اور آج کے دن میں کوئی ترقی نہ ہوئی تو ایسا شخص خسارہ میں ہے، اسلئے کہ آج کا دن کل کے مقابلے میں ترقی پایا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ آج کی میری حالت گزشتہ کل کے مقابلے میں بہتر ہونی چاہیے تھی۔ اگر آج بھی وہی حالت رہی جو کل تھی تو خسارہ میں ہوں۔

خوبصورت دعا

اسی لئے حضور اقدس ﷺ کی مانگی ہوئی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ يَوْمَنَا خَيْرًا مِنْ اَمْسِنَا، وَاجْعَلْ غَدَنَا خَيْرًا مِنْ يَوْمِنَا

یا اللہ؛ ہمارے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنا، اور آئندہ کل کو آج سے بہتر بنا، یعنی ہر دم ترقی ہو رہی ہو۔ روزانہ ترقی ہو رہی ہو۔ یہ نہیں کہ سالہا سال سے

ایک ہی حالت پر قانع ہیں۔ اور اطمینان ہے کہ اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ،اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ خشیت کی کمی اسکا سبب ہے۔ اور خشیت کی وجہ سے آدمی کے اندر آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور خوبصورت دعا

ایک اور دعا میں آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْحَیَاۃَزِیَادَۃًلِی فِیْ کُلِّ خَیْرٍ۔

اے اللہ: میری زندگی کو ہر بھلائی میں اضافے کا ذریعہ بنا۔ یعنی میری عمر جتنی بڑھتی جائے، خیر میں اضافہ ہوتا چلا جائے، جتنے دن بڑھیں، اتنی ہی نیکیوں میں اضافہ ہو، اور نیکیوں میں ترقی ہو۔

نیکیوں میں حریص اور دنیا میں قانع بن جاؤ

اب ہمارا معاملہ الٹا ہے کہ جہاں ''قناعت'' مطلوب تھی، یعنی دنیا کمانے میں، مال حاصل کرنے میں، وہاں تو ہمارے اندر حرص بڑھی ہوئی ہے، اور دنیا حاصل ہوجائے، اور مال حاصل ہوجائے، اور دنیا کمالوں۔ اور جہاں حرص مطلوب تھی، مثلاً علم میں، وہاں ہمارے اندر قناعت ہے۔ یہ الٹا معاملہ ہو رہا ہے، ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائی معاملہ سیدھا کرو۔ اور دنیا کے معاملے میں یہ دعا کرو کہ:

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَارَزَقْتَنِیْ

اے اللہ: جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس کے اندر مجھے قناعت بھی عطا فرما۔ اور آخرت کے معاملے میں حریص بنو کہ میں کس طرح اپنی

آخرت کو بہتر سے بہتر بنالوں۔ اور نیکی کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو کرنے کی حرص کرو، خشیت کا یہی تقاضہ اور یہی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین..

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(سورہ شوریٰ، آیت ۴۳)

یعنی جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''صبر'' ایک عظیم عبادت

مجلس نمبر 97

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقامِ خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	97

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''صبر'' ایک عظیم عبادت

مجلس نمبر 97

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رسوله الکریم، وعلٰی آله وأصحابه
اجمعین۔ امابعد:

''صبر'' ایک عظیم عبادت

پچھلی نشستوں میں ''خوف'' اور ''رجا'' کا بیان تھا، اسکی بقدر ضرورت تفصیل اور تشریح آپ حضرات کی خدمت میں عرض کردی گئی ہے۔ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ ارشادات ''صبر'' سے متعلق ہیں، یہ ''صبر'' بھی ایک عظیم عبادت ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اسکا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسکی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔ اسکے فضائل اور اسکے اجر وثواب کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

(الزمر:۱۰)

یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو اجر عطا فرمائیں گے وہ بے حساب ہوگا۔ اسکی کوئی گنتی نہیں ہوگی۔ جبکہ دوسرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ ان کے

اجر وثواب کا ایک پیمانہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ فلاں عمل کا دس گنا ثواب، فلاں عمل کا ستر گنا ثواب، فلاں عمل کا سات سو گنا ثواب ملیگا وغیرہ، لیکن صبر کے بارے میں فرمایا کہ اسکا اجر وثواب بے حساب ہے، کوئی گنتی نہیں۔ اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے اتنا عطا فرمائیں گے کہ کوئی حد وحساب نہیں۔ اس وجہ سے ''صبر'' مطلوب ہے۔

ہر وقت صبر کی ضرورت

اور یہ ''صبر'' ایسی چیز ہے کہ جسکی ضرورت سے کوئی مسلمان کسی دن بھی فارغ نہیں۔ لوگ عام طور پر ''صبر'' کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جب کوئی بڑا صدمہ پیش آیا، مثلاً کسی قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا، تو اس پر صبر کر لیا۔ یا کوئی بڑی تکلیف یا حادثہ پیش آجائے تو اس پر ''صبر'' کر لیا۔ لیکن حقیقت میں صبر ان مواقع کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ صبر کی ضرورت ہر مسلمان کو ہر دن، بلکہ ہر وقت ہے۔ اسلئے کہ قرآن کریم میں جس کو صبر کہا جا رہا ہے وہ یہ اردو والا صبر نہیں ہے۔ جس کو ہم اردو میں صبر کہتے ہیں۔ مثلاً کسی تکلیف پر صبر کرنا۔ یا کسی کی موت پر صبر کرنا۔ یا کسی حادثہ پر صبر کرنا۔

''صبر'' کے معنٰی نفس کو روکنا

بلکہ عربی زبان میں صبر کے معنٰی ہیں ''روکنا''، اور یہ رمضان کا مہینہ جو آج کل چل رہا ہے، اسکو بھی ''شھر الصبر'' کہا گیا ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اس بات سے روکے کہ وہ اللہ تعالٰی کے عائد کئے ہوئے فرائض، واجبات اور طاعات جن سے ہمارا نفس بھاگنا چاہتا ہے،

اس نفس کو بھاگنے سے روکے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج کرو۔ اور جتنی طاعات وعبادات ہیں ان کو بجالاؤ۔ اب انسان کا نفس ان چیزوں سے بھاگتا ہے۔ نماز پڑھنے سے بھاگتا ہے، روزہ رکھنے سے بھاگتا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے بھاگتا ہے کہ اس میں پیسے خرچ ہونگے، حج ادا کرنے سے بھاگتا ہے کہ اسکی ادائیگی میں تکلیف ہوگی۔ لہٰذا انسان کا نفس یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان طاعات کو بجالائے۔ بلکہ وہ نفس تو آرام کا خوگر ہوگیا ہے۔ اسکو تو سونے میں مزہ آرہا ہے۔ اسکو کھانے پینے میں مزہ آرہا ہے۔ اسکو اس میں مزہ ہے کہ وہ بالکل آزاد ہو۔ اسکے اوپر کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ لہٰذا وہ عبادات اور طاعات جو انسان پر روک ٹوک عائد کرے، نفس ان عبادات سے بھاگتا ہے۔

صبر کی پہلی قسم ''صبر علی الطاعة''

اب آپ نے اس نفس کو بھاگنے سے قید کردیا۔ اور اس سے کہا کہ تمہیں یہ نماز پڑھنی ہوگی۔ اللہ کا حکم آگیا ہے، وقت آگیا ہے، اللہ کا منادی نماز کے لئے پکار رہا ہے، لہٰذا یہ نماز تمہیں پڑھنی پڑیگی، چاہے تیرا دل چاہے یا نہ چاہے۔ اب آپ نے اس نفس کو بھاگنے سے روک دیا، اسی کا نام ''صبر'' ہے۔ اور یہ ''صبر علی الطاعة'' کہلاتا ہے۔ اسی طرح نفس تو یہ چاہ رہا تھا کہ میں ہر وقت کھاؤں پیوں، میرے اوپر کوئی روک ٹوک نہ ہو، دن میں بھی کھاؤں، رات میں بھی کھاؤں، لیکن تم نے اس سے کہا کہ نہیں، یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، روزہ رکھنا ہوگا اور اب صبح سے لیکر شام تک کچھ نہیں کھانا۔ اب نفس کو جو اس عبادت سے بھاگنا چاہ رہا تھا، تم نے اسکو روک دیا۔ یہ ''صبر'' ہوگیا۔ اسلئے فرمایا گیا کہ یہ رمضان کا مہینہ ''صبر کا مہینہ'' ہے۔

صبر کی دوسری قسم ''صبر عن المعصیة''

اسی طرح انسان کا نفس طرح طرح کے گناہوں کے تقاضے اور داعیے دل میں پیدا کرتا رہتا ہے کہ فلاں گناہ کرلو، یہ گناہ کرلو، وہ گناہ کرلو، آنکھ کو غلط جگہ پر استعمال کرلو۔ کان کو غلط جگہ پر استعمال کرلو۔ زبان سے جھوٹ بول دو۔ زبان سے غیبت کرلو۔ یہ تقاضے اور داعیے جو گناہوں کے پیدا ہورہے ہیں، اور انسان کا نفس یہ چاہتا ہے کہ میں یہ گناہ کرلوں۔ اب آپ نے اس نفس کو روک دیا۔ اور اس سے کہا کہ میں تجھے یہ گناہ نہیں کرنے دونگا۔ یہ گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ یہ جہنم کا راستہ ہے۔ اس طرح آپ نے اس نفس کو اس گناہ کے ارتکاب سے روک دیا۔ یہ روکنا ''صبر عن المعصیة'' ہے۔

صبر میں بڑی طاقت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس ''صبر'' میں بڑی طاقت رکھی ہے۔ یہ ''صبر'' ایسی چیز ہے کہ اس کو جتنا چاہو کھینچ لو، اور جتنا بڑے سے بڑا کام اس کے ذریعے لے لو۔ شروع شروع میں ''صبر'' کرنا انسان کو مشکل لگتا ہے۔ لیکن جب انسان اپنے نفس کو ''صبر'' کا عادی بنا دیتا ہے تو بڑے سے بڑا اور سخت سے سخت کام بھی اس صبر کے ذریعہ انجام پا جاتا ہے۔ جیسے ''ربر'' دیکھنے میں چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن اسکو کھینچتے ہیں تو بڑی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کی جو ہمت اور طاقت دی ہے، اس سے جتنا چاہو کام لے لو۔

صبر کو ترک کرنے کا نتیجہ

جب آدمی نفس وشیطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے، اور اس کا مقابلہ نہیں کرتا تو یہ نفس وشیطان اسکے اوپر شیر ہو جاتے ہیں۔ اور اسکو زیر کر کے چھوڑتے ہیں۔ اب یہ ہوتا ہے کہ گناہ کا ذرا سا تقاضہ پیدا ہوا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور اس گناہ کو کرلیا۔ اب وہ نفس وشیطان اس پر شیر ہو گیا کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ یہ جلدی قابو آجاتا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ آج ایک گناہ میں مبتلا کردیا تو کل دوسرے گناہ میں مبتلا کردیگا۔ پرسوں تیسرے گناہ میں مبتلا کردیگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صبر اور ہمت کی جو طاقت تھی وہ کمزور پڑتے پڑتے بہت معمولی رہ جاتی ہے۔ اب بے دھڑک گناہ ہو رہے ہیں۔ بے دھڑک معصیتیں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین.

صبر کرتے ہوئے نفس کے سامنے ڈٹ جاؤ

لیکن جب یہ تہیہ کرلیا کہ اللہ جل شانہ نے مجھے صبر کی طاقت دی ہے۔ اور اس نفس وشیطان کا مقابلہ کرونگا۔ خواہ کچھ ہو جائے میں یہ گناہ نہیں کرونگا۔ اور گناہ سے بچوں گا۔ جب ایک مرتبہ اس نفس وشیطان کے آگے ڈٹ گئے تو تم نے اس صبر اور ہمت کو استعمال کیا۔ تو اس کے نتیجے میں اس صبر کے اندر مزید طاقت پیدا ہوگئی۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو استعمال کرنے سے کم ہوتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو استعمال کرنے سے بڑھتی ہیں۔ مثلاً قوت حافظہ ایسی چیز ہے کہ اسکو جتنا استعمال کروگے یہ اتنا ہی بڑھے گا۔ اسی طرح یہ ''صبر'' کی اور ہمت کی طاقت ہے، اسکو جتنا استعمال کروگے اس میں

اتنی ہی طاقت آئے گی۔ جب تم ایک مرتبہ نفس وشیطان کے آگے ڈٹ گئے۔ اور اس سے یہ کہہ دیا کہ ہمیں تیری بات منظور نہیں تو یہ نفس وشیطان پھک سے اڑ جائیگا۔

شیطان کا مکر کمزور ہے

اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا (سورۃ النساء، آیت ۷۶)

ارے تم کس سے ڈر رہے ہو۔ اس شیطان کا مکر تو بڑا ہی کمزور ہے۔ ذرا اس کے سامنے ڈٹ کر دیکھو، یہ تمہارے سامنے ھوا ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ دل میں یہ بات بٹھا لو کہ چاہے میرے دل پر آرے چل جائیں۔ چاہے میرے اوپر قیامت ٹوٹ پڑے۔ لیکن میں اس گناہ کے قریب نہیں جاؤنگا۔ اور یہ گناہ نہیں ہونے دونگا۔ جب ایک مرتبہ تم نے پکا ارادہ کرلیا تو شیطان بھی رفو چکر ہو جائیگا انشاء اللہ۔ اور تمہارا نفس بھی قابو میں آجائیگا۔ اور جتنا اسکو استعمال کروگے، اتنی قوت بڑھتی جائیگی۔

مصیبت اور پریشانی پر صبر کرو

اور گناہوں کے تقاضے کے وقت یہ تصور کرلیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ''صبر'' پر عمل کر رہا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ۔ (سورۃ الزمر: ۱۰)

کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔ بہرحال، صبر کے معنی ہیں ''روکنا'' یعنی جو نفس طاعات اور عبادات سے بھاگ

رہا ہے، اس سے روکنا، اور معصیتوں کی طرف جو نفس جا رہا ہے اسکو اس سے روکنا۔ جو تکلیف آئی ہے، اس پر صبر کرنا، یعنی جب تکلیف پہنچے، پریشانی ہو، صدمہ ہو، تو اس وقت نفس آدمی کو ناشکری پر آمادہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دل میں شکوہ پیدا کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں جو فیصلہ کیا۔ وہ انصاف کا فیصلہ نہیں کیا، العیاذ باللہ یہ باتیں شیطان دل میں پیدا کرتا ہے۔

موت کے وقت صبر سے کام لو

اسی طرح کسی کے انتقال کے وقت ہم لوگ زبان سے جو کلمات کہہ دیتے ہیں کہ اس آدمی کی بے وقت موت ہوگئی۔ العیاذ باللہ۔ یہ بڑا خطرناک کلمہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں کو اسکی موت کا صحیح وقت معلوم نہیں تھا۔ تم اسکی موت کا صحیح وقت جانتے ہو۔ یہ ناشکری ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض ہے، اور شکوہ ہے، یہ الفاظ زبان سے ادا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اب موت کے وقت انسان کا نفس یہ چاہتا ہے کہ وہ واویلا کرے، شور مچائے، اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرے، لیکن ایسے موقع پر ایک مؤمن یہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے اللہ سے کوئی شکوہ نہیں، میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، چاہے میرا دل جل رہا ہے، چاہے میری زبان سے آہیں نکل رہی ہیں، میری آنکھوں سے آنسوں نکل رہے ہیں، لیکن میں اللہ تعالیٰ کی اس مشیت اور اس فیصلے پر راضی ہوں، اور اس فیصلے پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ بس اسکا نام ''صبر'' ہے۔ یہ ''صبر علی المصیبة'' ہے۔ اس لئے کہ اس میں آپ نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کرنے سے روک لیا۔

ہر وقت آپ سے ایک مطالبہ

بہر حال، صبر کی ضرورت ہر مؤمن کو، ہر روز، ہر وقت ہے، کیوں؟ اسلئے کہ مسلمان سے بحیثیت مسلمان کے ہر وقت اللہ جل شانہ کے دین کا کچھ مطالبہ ہے، مثلاً جب نماز کا وقت آ گیا تو اب یہ مطالبہ ہے کہ نماز ادا کرو، روزہ کا وقت آ گیا تو اب مطالبہ یہ ہے کہ روزہ رکھو، اگر کوئی اچھا واقعہ پیش آ گیا تو اب مطالبہ یہ ہے کہ اس پر شکر ادا کرو، اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آ گیا تو اب مطالبہ یہ ہے کہ صبر کرو۔ لہٰذا کونسا لمحہ انسان پر ایسا گزرتا ہے جو یا تو اچھا نہ ہو، یا برا نہ ہو، جو نہ نعمت ہے، نہ تکلیف ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھو تو زیادہ تر نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، کبھی کبھار ان کے ساتھ کوئی تکلیف آ کر لگ جاتی ہے۔

ہر وقت صبر مطلوب ہے

مثلاً اس وقت ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اور ہمارا سانس عافیت سے چل رہا ہے۔ اس پر کہو ''الحمدللہ'' اگر یہ سانس نہ چلتا، بلکہ رک جاتا تو ہماری قیامت آ جاتی، موت آ جاتی۔ اسلئے سانس چلنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اسی طرح ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، بینائی موجود ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ بینائی چلی جائے تو ہمارا کیا انجام ہو جائے۔ لہٰذا مطالبہ یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اگر گرمی لگ رہی ہے، یہ تھوڑی سی تکلیف ہے، اب مطالبہ ہے کہ اس پر صبر کرو۔ اور کہو: انا للہ وانا الیہ راجعون'' اور اس تکلیف پر راضی رہو۔ اور صبر کرو۔ بہر حال کونسا وقت ایسا ہے جس میں دین کا اور شریعت کا انسان سے کوئی مطالبہ نہ ہو۔ جب تم اپنے نفس کے تقاضے کے بر خلاف اس

تقاضے کو پورا کرو گے تو اسی کا نام ''صبر'' ہے۔ اس لئے یہ کہا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ ہم سے ہر لحہ ''صبر'' مطلوب ہے۔ یا تو ''صبر علی الطاعة'' مطلوب ہے۔ یا ''صبر علی المعصیة'' مطلوب ہے یا ''صبر علی المصیبة'' مطلوب ہے۔ لہٰذا کوئی لمحہ ''صبر'' سے خالی نہیں۔

فکر اور تشویش پر صبر کرو

یہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انفاس عیسیٰ'' میں جو ارشادات بیان فرمائے ہیں۔ وہ زیادہ تر ''مصیبت پر صبر'' کرنے سے متعلق ہیں۔ اور صبر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جب کوئی بڑی مصیبت ہو، اس پر صبر کرے، بلکہ ہلکی اور معمولی تکلیف بھی جو انسان کی طبیعت کے خلاف ہو، اس پر بھی صبر مطلوب ہے۔ جیسے گرمی لگ رہی ہے، اس پر بھی صبر کرو، کانٹا لگ گیا، اس پر بھی صبر کرو، یا ذہن میں کوئی تشویش اور اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے، یہ بھی صبر کا موقع ہے ، اسلئے کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ ''حَتّٰی الْھَمَّ یَھُمُّہٗ'' یعنی یہاں تک کہ کوئی فکر اور تشویش جس میں بندہ مبتلا ہوتا ہو، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور یہ کفارہ سیئات بن جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ فکر اور تشویش بھی محل صبر ہیں۔

چراغ گل ہونے پر صبر

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چراغ کے گل ہونے پر ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی تکلیف ہے۔ اور یہ بھی صبر کا محل ہے۔ لہٰذا ذرا سی بھی تکلیف ہو، یا پریشانی ہو۔ یا

کوئی بھی ایسی بات لاحق ہوجائے تو اس پر "صبر" کرو، اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھو۔

رونا صبر کے خلاف نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آنسو بہنا، آہ آہ منہ سے نکلنا، خلاف صبر نہیں، بلکہ رو لینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ دل کا غبار نکل جاتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۵)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کے مرنے پر رونا صبر کے خلاف ہے، اسلئے کہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بالکل نہ روئے، بلکہ چپکا بیٹھا رہے۔ حضرت والا نے اسکی تردید فرمادی کہ صبر کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کے آنسوں نہ بہیں، روئے نہیں۔ آہ نہ نکلے۔ یہ مطلب نہیں۔ بلکہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے فیصلے پر راضی ہونا، اسکے خلاف کوئی شکایت، کوئی اعتراض، کوئی گلہ نہ ہو، بلکہ یہ کہو کہ اے اللہ ہم کمزور ہیں، چونکہ ہمیں صدمہ ہوا ہے اس صدمہ پر ہم روتے ہیں۔ آنسوں بھی بہہ رہے ہیں، دل میں آگ بھی لگی ہوئی ہے، لیکن سب کچھ ہماری کمزوری کی وجہ سے ہے، ہم جانتے ہیں کہ اے اللہ، آپ کی مشیت کا فیصلہ برحق ہے، یہ معنیٰ ہیں "صبر" کے۔

رونے سے غبار نکل جاتا ہے

اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رو لینے سے بعض اوقات حقیقی صبر میں اور زیادہ آسانی پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ دل کا غبار نکل

جاتا ہے، کیونکہ جب تک دل کا غبار نہیں نکلا ہوتا، صدمہ کی شدت اور غصہ کی شدت ہوتی ہے تو اس میں بعض اوقات عقل خراب ہو جاتی ہے، اور عقل خراب ہو جانے کی وجہ سے انسان اول فول بکنے لگتا ہے، اور فضول باتیں اس کے دماغ میں آنے لگتی ہیں۔ لیکن جب دل سے غبار نکل گیا، تو اب عقل معمول پر آجائیگی، اور عقل معمول پر آجانے سے انشاء اللہ خطرہ نہیں رہیگا کہ وہ بے صبری کریگا۔ یا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کریگا۔

رونے میں کوئی حرج نہیں

یہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے کہ جتنی غیر اختیاری چیزیں ہیں، ان میں سے کسی کا ہمیں مکلف نہیں بنایا، اگر غیر اختیاری طور پر رونا آرہا ہے تو رولو۔ ہاں جان بوجھ کر مصنوعی طور پر مت رو، حتی الامکان کوشش کرو کہ رونے میں آوازیں بلند نہ ہوں۔ اور بلا وجہ بین کا انداز نہ ہو، جب تک تمہارے دل میں اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ درست ہے، اور میں اس فیصلے پر سر تسلیم خم کرتا ہوں تو پھر رونے میں کوئی گھاٹا نہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے بیٹے کے انتقال پر رو کر دکھایا۔ اپنے نواسے کے انتقال پر روئے، اور فرمایا کہ یہ ایک رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اسلئے یہ گھبرانے کی بات نہیں۔

تکلیف اور رضامندی جمع ہو سکتی ہیں

بعض لوگوں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ صدمہ کا اظہار کرنا اور عقل سے اس فیصلے پر راضی ہونا، یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ ہمارے حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب ڈاکٹر سے آپریشن کرواتے ہو تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوتا ہے؟ اب آپریشن کے وقت تکلیف بھی ہو رہی ہے۔ اسلئے کہ جسم کو کاٹا جا رہا ہے، اور دوا لگانے کی وجہ سے ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں، لیکن ساتھ میں اس بات کا اطمینان ہے کہ یہ ڈاکٹر میرا ہمدرد ہے، بلکہ ڈاکٹر کی خوشامد کریگا اور اس کی فیس بھی دیگا کہ میرا جلدی سے آپریشن کردو۔ اسلئے کہ وہ شخص جانتا ہے کہ یہ آپریشن کے ذریعہ ڈاکٹر جو تکلیف مجھے دے رہا ہے، اسی میں میرا فائدہ ہے، اور اس کے نتیجے میں مجھے صحت حاصل ہو جائے گی، اب دیکھئے، تکلیف بھی ہو رہی ہے لیکن ساتھ میں اس تکلیف پر راضی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہو

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تکلیفیں پہنچتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پہنچتی ہیں۔ اسلئے کہ کوئی کام کائنات میں ایسا نہیں ہے جو اسکی مشیت کے بغیر ہو جائے، بس اس وقت انسان یہ سوچے کہ میرے حق میں یہی بہتر تھا، اور یہ سوچ کر اس تکلیف پر راضی ہو جائے، بس اسی کا نام ''صبر'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر اور ہر مشیت پر راضی ہونا کہ اس کا ہر فیصلہ برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض نہ ہو

آجکل پوری امت مسلمہ افغانستان پر امریکی حملے کے صدمہ سے دوچار ہے، مشرق و مغرب کے تمام مسلمان اس صدمہ کی وجہ سے تکلیف میں ہیں۔ بعض اوقات ان تکالیف اور صدمات کے مواقع پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اور مایوسی کی

طرف جانے لگتے ہیں۔ زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ آنے لگتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ____ ایک صاحب جو اچھے پکے نمازی، مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والے، انہوں نے اس موقع پر زبان سے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ یہ اللہ میاں نے اچھا نہیں کیا۔ العیاذ باللہ۔ یہ کلمہ زبان سے نکال دیا، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس قسم کے خیال سے محفوظ رکھے، آمین۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کرنا، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، ارے تم کیا، تمہاری عقل کیا، تمہاری خواہشات کیا، تمہاری عقل محدود، تمہاری خواہشات محدود، تمہارے خیالات محدود، تم اس محدود عقل اور خواہشات کے دائرے میں رہ کر سوچتے ہو۔ اس پوری کائنات کا نظام اسکے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسکی قدرت کاملہ اور اسکی حکمت بالغہ اس نظام میں کارفرما ہے۔ اگر تمہاری خواہشات کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کا نظام چلاتے تو آسمان اور زمین کا نظام کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَائَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ۔ (سورۃ المومنون: ۷۱)

اللہ تعالیٰ کی حکمت جاری ہے

کیا اللہ تعالیٰ تمہاری خواہشات کے پابند ہیں؟ تمہاری آرزوؤں کے پابند ہیں؟ تم جیسا چاہو، کائنات میں ویسا ہونا چاہیئے؟ یا وہ قادر مطلق ہیں۔ وہ حکیم مطلق ہیں، اور فیصلہ اسکے ہاتھ میں ہے، حکمت اسکی چل رہی ہے یا تمہاری چل رہی ہے؟ سمجھ اسکی ہے یا تمہاری ہے؟ خدائی اسکی، فیصلہ اسکا۔ حکمت اسکی، مصلحت اسکی، تمہاری سمجھ میں آئے تو، نہ آئے تو۔ اس کا حکم بالا ہے، اس کا فیصلہ بالا ہے۔

بعض واقعات تازیانے ہوتے ہیں

اگر کسی بات پر کسی واقعہ پر صدمہ ہوا، چلا ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی اس بات پر ایمان ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ جل شانہ کی مشیت سے ہوا۔ جو کچھ ہوا، وہ اسکی حکمت کے عین مطابق ہوا، چاہے اسکی حکمت ہماری سمجھ میں آ رہی ہو، یا نہ آ رہی ہو۔ بہت سی باتیں، بہت سے واقعات اللہ جل شانہ کی طرف سے تازیانہ ہوتے ہیں۔ یہ واقعات جگانے والے اور تنبیہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ اسلئے ہوتے ہیں تا کہ اللہ کے بندے اپنا جائزہ لیکر دیکھیں کہ ہمارے طرز عمل میں کوئی غلطی تو نہیں تھی؟ اس غلطی کو متعین کریں۔ اور آئندہ اس غلطی سے بچنے کی کوشش کریں۔

حضور ﷺ کی موجودگی میں مسلمانوں کو شکست

تاریخ اسلام میں اور خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اور آپ کے صحابہ کے عہد مبارک میں بھی جہاں فتوحات بے شمار ہیں۔ وہاں شکستیں بھی ہیں ہزیمتیں بھی ہیں، غزوہ احد کے موقع پر اگرچہ عارضی طور پر مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے، غزوہ حنین کے موقع پر جب صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس وقت بھی مسلمانوں کو شکست ہوئی اور یہ شکست حضور اقدس ﷺ کی معیت میں ہوئی، کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان شکستوں کا ذکر کر کے اس طرف متوجہ کیا، تا کہ تمہارے دماغ میں یہ بات نہ آ جائے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ بلکہ اسکے ذریعے تمہاری غلطیوں کی طرف توجہ کرائی، غزوہ احد کی شکست کے اسباب بھی بتائے، اور غزوہ حنین کی شکست کے اسباب بھی بتائے کہ کیا اسباب تھے؟ لہٰذا ان اسباب کو سوچو،

اور آئندہ کیلئے پرہیز کرو۔

تم سے بھی غلطی ہوسکتی ہے

اب ہوتا یہ ہے کہ اپنی غلطی کی طرف تو ذہن جاتا نہیں۔ بلکہ یہ طے کرلیا ہے کہ ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، نہ غلطی ہوسکتی ہے، اور شکوہ اللہ تعالیٰ سے ہے، اسلئے کہ جب ہماری غلطی نہیں ہے تو -نعوذ باللّٰہ- اللہ میاں کی غلطی ہوگی، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ یہ سب فضول خیالات شیطان دل میں پیدا کرتا ہے، ایسے موقع پر سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے آگے سر جھکانا، اور یہ کہنا کہ اے اللہ، ہم آپکے ہر فیصلے پر راضی ہیں۔ چاہے صدمہ ہو، چاہے غم ہو، چاہے تکلیف ہو، اسی کا نام صبر ہے، اور دوسرا کام یہ ہے کہ اپنا جائزہ لو، کہ ہم سے کہاں کہاں غلطی ہوئی، پھر ان غلطیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرنا، تأویل اور توجیہ کے چکر میں نہ پڑنا، اور آئندہ اس غلطی سے پرہیز کرنا، بس ایسے موقع پر ایک مسلمان کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے۔

یہ دنیا ہے، جنت نہیں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ''دنیا'' بنایا ہے، یہ جنت نہیں ہے، لہٰذا اس دنیا میں اچھا بھی پیش آئیگا، اور برا بھی پیش آئیگا۔ نفع بھی ہوگا، نقصان بھی ہوگا، فتح بھی ہوگی، شکست بھی ہوگی، راحت بھی ملیگی، تکلیف بھی پہنچے گی۔ اگر اس دنیا میں راحت ہی راحت ہو، تکلیف نہ ہو، پھر تو یہ دنیا نہیں، پھر تو یہ جنت ہو جائیگی۔ لہٰذا جنت جیسی راحت یہاں کسی کو نہیں مل سکتی، لہٰذا اس دنیا میں اچھا اور برا، سرد اور گرم، میٹھا اور تلخ، ہر طرح کا واقعہ پیش آئیگا۔ اگر اس طرح تم مایوس ہو کر بیٹھ جاؤ گے تو پھر تو تم نے زندگی گزار لی۔

کوئی سورج نکلنے والا ہے

اس کائنات میں رات کی تاریکی بھی آتی ہے، اور رات کے بعد دن بھی آتا ہے۔ اور پھر سورج نکلتا ہے، گرمی بھی آتی ہے۔ پھر سردی بھی آتی ہے۔ اللہ تبارک نے یہ دنیا ایسی ہی بنائی ہے۔

ظلمتوں کا جو بول بالا ہے
کوئی سورج نکلنے والا ہے

سورج تو جبھی نکلتا ہے جب تاریکیاں آتی ہیں۔ تاریکیوں کے بعد جب سورج نکلتا ہے تو اسکی روشنی کی قدر بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہوتا ہے کہ اے اللہ، تاریکی کے بعد آپ نے ہمیں یہ روشنی بھی عطا فرمائی۔

مایوس مت ہو جاؤ

لہٰذا کبھی ہمت ہار کر مت بیٹھو کہ حالات میں تاریکی ہو گئی ہے۔ اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ ارے کہاں کی مایوسی، یہ تو رات کی تاریکی ہے۔ اسکے بعد انشاء اللہ صبح بھی آنے والی ہے۔ سورج بھی نکلنے والا ہے۔ بس فکر اس بات کی کرو کہ اس صبح کے نکلنے میں تمہارا بھی حصہ لگ جائے۔ اور تم اپنی غلطیوں کی تلافی کرلو۔ نہ یہ کہ مایوس ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اپنا جائزہ لیکر عزم و ہمت کو تازہ کرلو، اور اپنا سفر از سر نو شروع کرو۔

قید خانہ میں تو تکلیف ہوگی

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنیَا سِجنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ

یہ دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ ہے، اور کافر کیلئے جنت ہے۔ اور جب یہ قید خانہ ہے تو کیا قید خانہ میں تمہیں عیش و آرام ملیگا؟ قید خانہ میں تو تکلیف ہی پہنچتی ہے۔ تو اس دنیا کے اندر اصل تو ''تکلیف'' ہے۔ اگر کبھی عیش و آرام مل جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ جو استحقاق کے بغیر آپ کو عطا ہوگئی۔ ورنہ اصلاً تو دنیا میں تکلیف ہی ملنی چاہئے۔ اگر تکلیف ہو رہی ہے تو یہ اصل کے مطابق ہے۔ اس پر نہ تو مایوسی کی بات ہے، نہ تعجب اور پریشانی کی بات ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہو۔

اپنی غلطی کو سوچو

بہر حال، صبر کا حاصل یہ ہوا کہ جب بھی کوئی تکلیف پہنچے، کوئی صدمہ آئے، کوئی پریشانی پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر پہلے راضی ہو جاؤ۔ اور راضی ہو کر اپنی غلطی کو سوچو، اگر غلطی سمجھ میں آئے تو اسکی تلافی کرلو۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی اور سے پوچھ لو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ، جس غلطی کی یہ سزا ہے، اس پر مجھے متنبہ فرما دیجئے۔ اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ اسلئے کہ جو مصیبت ہمیں پیش آئی ہے، وہ کسی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس غلطی کو معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں صبر کی تینوں قسموں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

۞۞۞
۞

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

(سورۃ الزمر: ۱۰)

کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک تکلیف اور تین ثواب

مجلس نمبر 98

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دار العلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	98

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک تکلیف اور تین ثواب

مجلس نمبر98

الحمدللّٰہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علیٰ رسوله الکریم، وعلیٰ آله وأصحابه اجمعین۔ امابعد:

”صبر“ کا ثواب کس صورت میں ملے گا

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں بڑا اہم سوال کیا، اور حضرت والا نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ اور اس جواب میں بڑے علوم ہیں، وہ سوال یہ کیا کہ:

> صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے، وہ کس صورت میں ہے؟ یعنی کوئی شخص کسی انتقام یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر ہے، اور نہ کرے، تب اجر ملے گا؟ یا قادر نہ ہو۔ پھر صبر کرے اس پر اجر ملے گا؟ (انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۰۹)

سوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کو دوسرے شخص سے کوئی تکلیف پہنچی، اب وہ شخص اس ظالم تکلیف پہنچانے والے شخص سے انتقام لینے پر قادر نہیں۔ اگر

انتقام لینا بھی چاہے تو نہیں لے سکتا، اس صورت میں انتقام نہ لینے کی وجہ سے ''صبر'' کرنے کا اجر اس کو ملے گا یا نہیں؟

ایک تکلیف پر تین ثواب

یہاں میں وضاحت کردوں کہ جب بھی کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ نے اجر وثواب کے تین مختلف راستے رکھے ہیں۔ ایک تو مطلق تکلیف پہنچنے سے ہی ثواب مل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس تکلیف پر کوئی شرط عائد نہیں ہے، مثلاً پاؤں میں کانٹا لگا، تکلیف ہوئی اور ثواب لکھا گیا۔

دوسرا ثواب ''صبر'' بمعنی ''رضا بالقضاء'' کا، یعنی آدمی نے تکلیف پر صبر کیا اس معنی میں کہ میں اللہ جل شانہٗ کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اس کی مشیت پر راضی ہوں۔ مجھے اس پر کوئی گلہ اور شکوہ، کوئی اعتراض نہیں۔ دوسرا ثواب اس صبر پر ملے گا۔

بدلہ نہ لینے پر ثواب

تیسرا ثواب اس پر ملتا ہے کہ یہ شخص تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لے، مثلاً کسی آدمی کی طرف سے تکلیف پہنچی اور اس کو انتقام لینے کا حق تھا، لیکن اس نے انتقام نہیں لیا، اس پر یہ تیسرا ثواب اس کو ملے گا، مثلاً ایک آدمی نے آکر آپ کو مکہ ماردیا، اس ایک مکے پر تین ثواب ملیں گے، ایک ثواب اس مکے سے پہنچنے والی تکلیف پر، دوسرا ثواب اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا اور تیسرا ثواب انتقام نہ لینے کا، یہ تین الگ الگ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو

ایک تکلیف پر ملتے ہیں۔ اس ذات کی رحمت تو دیکھو کہ ایک تکلیف پہنچائی تو ثواب کے تین دروازے کھول دیئے۔

بے صبری کی متعدد صورتیں

ثواب کی یہ جو تیسری قسم ہے، یعنی انتقام اور بدلہ نہ لینا، اس کے بارے میں سوال کرنے والے سوال کر رہے ہیں کہ بدلہ نہ لینے پر جو ثواب ملتا ہے، آیا یہ ثواب اس وقت ملتا ہے جب انسان بدلہ لینے پر قادر ہو، اور پھر بدلہ نہ لے، یا اس وقت بھی ملتا ہے جب کہ بدلہ لینے پر قادر نہ ہو______ اس سوال کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا تفصیلی جواب دیا، چنانچہ فرمایا:

''بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں''

یہاں ''صبر'' سے ثواب کی تیسری قسم مراد ہے، یعنی انتقام اور بدلہ نہ لینا، اس لئے کہ ''بدلہ لینا'' بے صبری ہے، اور بدلہ نہ لینا صبر ہے، حضرت نے فرمایا کہ اس بے صبری کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

① انتقام بالمثل لینا، اس کا ترک کرنا صبر ہے۔

یہ مشروط ہے قدرت کے ساتھ'' (ایضاً)

انتقام بالمثل کے ترک پر ثواب

مثلاً ایک شخص نے آپ کو مکا مارا، آپ نے بھی اتنی ہی زور کا مکہ مار دیا، اب جیسی تکلیف اس نے پہنچائی تھی، ویسی ہی تکلیف آپ نے پہنچا دی۔ یہ انتقام بالمثل ہے۔ یہ انتقام لینا صبر کے خلاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تیسری قسم کا

ثواب نہیں ملے گا، اور البتہ انتقام لینے کے باوجود پہلی دوقسموں کا ثواب اس کو ملے گا، لہٰذا جو تکلیف پہنچی۔ اس کا ثواب اس کو ملا، اور اس تکلیف کے فیصلے پر اور اللہ کی مشیت پر راضی رہا، اس ''رضا بالقضاء'' کا ثواب بھی ملے گا۔ البتہ بدلہ نہ لینے پر جو ثواب ملنا تھا۔ وہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا انتقام بالمثل لینا بے صبری کی ایک صورت ہوئی، اور انتقام نہ لینا صبر ہے، یہ صبر تیسرے معنی اور تیسرے ثواب کے لحاظ سے ہے، اس لئے کہ جب دوسرے شخص نے مکہ مارا تو یہ بھی مکہ مارنے پر قادر تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے سوچا کہ چلو چھوڑو۔

صبر کا اعلیٰ درجہ

قرآن کریم نے تو کہہ دیا کہ جس نے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہو، اتنی ہی تکلیف دوسرے کو پہنچانے کا حق حاصل ہے، لیکن قرآن کریم نے یہ بھی فرمایا کہ:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(سورہ شوریٰ، آیت ۴۳)

یعنی جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔ اس پر بڑا اجر وثواب ہے، لہٰذا باوجود قدرت کے اگر انتقام نہ لیا، اور معاف کردیا تو یہ صبر کا اعلیٰ درجہ ہے، اور اس پر انشاء اللہ تیسرا ثواب بھی مرتب ہوگا۔

یہ ثواب قدرت ہونے پر موقوف ہے

البتہ یہ ثواب قدرت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، یعنی یہ ثواب اس وقت ملے گا جب مکہ مارنے پر قدرت تھی، اور چاہتا تو ماردیتا، لیکن پھر بھی اللہ کی

خاطر اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے مکہ نہیں مارا تو اس پر تیسرا ثواب ملے گا، لیکن اگر انتقام لینے کی قدرت نہیں تھی، مثلاً ایک حاکم مکہ مار گیا، جس سے بدلہ لینا اپنے اختیار میں نہیں تھا، تو اب سوائے خون کے گھونٹ پینے کے کوئی چارہ نہیں، اب جو انتقام نہیں لیا، اس پر تیسری قسم کا ثواب اس کو نہیں ملے گا، البتہ پہلی دو قسموں کا ثواب اس کو ملے گا، تیسری قسم کا ثواب اس لئے نہیں ملے گا کہ اس نے اللہ کے لئے انتقام نہیں لیا، بلکہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے انتقام نہیں لیا۔

بے صبری کی دوسری صورت

آگے حضرت والا بے صبری کی دوسری صورت بیان فرمارہے ہیں کہ:

> ⑵ دوسری صورت زبان سے برا بھلا کہنا، سامنے یا پسِ پشت بددعا دینا، غیر قادر علی الانتقام بھی اس پر قادر ہے، اس کے لئے ترک کرنا صبر ہے (ایضاً)

یعنی جس آدمی کو زیادتی کا انتقام اور بدلہ لینے کی قدرت نہیں تو کیا ایسا شخص تیسرے ثواب سے محروم رہے گا؟ کیونکہ تیسری قسم کا ثواب تو اس شخص کو ملتا ہے، جس کو انتقام پر قدرت ہو، اور پھر انتقام نہ لے، حضرت والا ایسے شخص کے لئے فرمارہے ہیں کہ تم بھی تیسری قسم کا ثواب حاصل کر سکتے ہو۔ وہ اس طرح کہ اگرچہ تم جسمانی طور پر اس شخص سے بدلہ لینے پر قادر نہیں تھے، لیکن تم اس بات پر تو قادر تھے کہ جب وہ شخص سامنے سے چلا جائے تو پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرتے، یا اس کی غیبت کرتے، اور لوگوں سے کہتے کہ یہ بڑا ظالم اور جابر ہے، برا خراب آدمی ہے، یا اس کے لئے تم بددعا تو کر سکتے تھے کہ یا اللہ! اس کو ہلاک

کردے، کیونکہ اس نے مجھے پریشان کیا، اور ستایا، کم از کم اس پر تو تم کو قدرت حاصل تھی، لیکن قدرت کے باوجود تم نے یہ کام نہیں کئے، نہ تو تم نے اس کی غیبت کی، نہ برا بھلا کہا، نہ بد دعا دی۔ بلکہ تم نے اس کو یہ دعا دی کہ یا اللہ! اس کو ہدایت دیدے، تو اب تمہیں تیسری قسم کا ثواب بھی مل جائے گا۔

کسی کے انتقال پر ثواب کب ملیگا؟

آگے ارشاد فرمایا:

> اسی طرح اہل میت گو مدافعت پر قادر نہیں، لیکن نوحہ کرنے اور شکایت کرنے پر تو قادر ہیں۔ ان کی یہ بے صبری ہے، اور اس کا ترک کرنا صبر ہے (ایضاً)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کے قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا، والد کا، یا بھائی کا، یا بیٹے کا، یا بیوی کا انتقال ہوگیا، اب یہ شخص مدافعت پر قادر نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ انتقام لے، یا بدلہ لے، لہٰذا عدم قدرت کے نتیجے میں اس شخص کو صبر کرنے پر تیسری قسم کا ثواب نہ ملنا چاہئے، کیونکہ یہ اصول بتا دیا کہ جب انتقام لینے پر قدرت ہو، اور پھر انتقام نہ لینے پر یہ ثواب ملتا ہے اور کسی کے انتقال ہو جانے پر آدمی صبر کرنے پر مجبور ہے، انتقام کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

تسلیم ورضا کے بغیر چارہ نہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

در پنجۂ شیر نر خونخوارے
جز بتسلیم و رضا چوں چارے

یعنی اگر کوئی خونخوار شیر کسی انسان کو اپنے پنجوں میں لے لے، تو اس انسان کے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اب سوائے تسلیم و رضا کے کوئی چارہ کار نہیں۔ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں، جو شیر کی مرضی ہوگی، کرے گا، پھاڑنا چاہے گا، پھاڑ دے گا، کھالے گا ـــــ اب یہاں تسلیم و رضا مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔

نوحہ اور شکوہ نہ کرنے پر ثواب

اس طرح اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے کسی عزیز کو موت دیدی تو اب ہم مجبور ہیں، بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اب یہاں جو تسلیم و رضا ہو رہی ہے، وہ مجبوری کی وجہ سے ہو رہی ہے، لہٰذا اس پر ثواب نہیں ملنا چاہئے، اس سوال کا جواب حضرت والا یہاں سے دینا چاہتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ انسان اپنے عزیز کی موت دفع کرنے پر تو قادر نہیں ہے، لیکن اس پر قادر ہے کہ موت کے نتیجے میں نوحہ کرسکتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ کرنے پر تو قادر تھا۔ لیکن اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ تو نوحہ کیا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ کیا۔ تو اس پر بھی صبر کی تیسری قسم کا ثواب بھی اس کو حاصل ہو جائے گا، کیونکہ یہ اصول بتا دیا کہ جب انتقام لینے پر قدرت ہو تو اس کے ترک کرنے پر ثواب ملتا ہے۔

آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ:

"اور جو کسی فعل پر بھی قادر نہ ہو، جیسے اندھا کہ دیکھنے پر تو بالکل قادر نہیں، مگر تصور یا عزم بصورت ابصار، یا تمنائے

ابصار للابصار پر تو قادر ہے، اس کی بے صبری یہ ہے، اور
اس کا ترک صبر ہے، لہٰذا ہر شخص کو اس کے مناسب صبر پر اجر
ملتا ہے۔" (ایضاً)

آنکھ والے کو بدنگاہی سے بچنے پر ثواب

جس شخص کی آنکھیں درست ہوں، اس کے دل میں کسی نامحرم کو دیکھ کر لذت لینے کا تقاضہ پیدا ہوا، لیکن اس نے اللہ جل شانہ کے خوف اور ڈر سے اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے اس نے سوچا کہ اگرچہ میرا دل نامحرم کو دیکھنے کا تقاضہ کر رہا ہے، لیکن میں اپنے آپ کو روکتا ہوں اور اپنی نظر کو غلط جگہ پر نہیں ڈالوں گا، چنانچہ اس نے اپنی نظر کو روک دیا، اس پر اس کو صبر کا ثواب ملا، کیونکہ اس کے دل میں دیکھنے کا تقاضہ پیدا ہوا تھا، اور اس کا نفس اس کو گناہ کی طرف لے جا رہا تھا، لیکن اللہ کی خاطر اس نے یہ گناہ نہیں کیا، اور نفس کو روک لیا، لہٰذا اس پر اس کو صبر کا ثواب ملے گا۔

اندھے غیر قادر کو ثواب نہیں ملے گا

لیکن ایک آدمی اندھا ہے، وہ دیکھ ہی نہیں سکتا، ایسے شخص کے دل میں اولاً تو بدنظری کی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی، اگر خواہش پیدا ہو بھی، اور پھر بدنظری سے بچ جائے تو اس پر ثواب بھی نہیں ملے گا، کیونکہ وہ بدنظری سے اس لئے نہیں بچا کہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، بلکہ وہ اس لئے بچا کہ اس کے اندر دیکھنے کی قدرت ہی نہیں تھی۔ لہٰذا بدنظری سے بچنے پر اس اندھے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا، اسی طرح اگر کوئی نامرد آدمی زنا کاری سے بچے تو اس پر کوئی ثواب نہیں۔

اسی طرح ایک اپاہج آدمی چوری کرنے سے بچے، اس پر کوئی ثواب نہیں، اسی طرح گونگا آدمی غیبت کرنے اور جھوٹ بولنے سے بچے تو اس پر کوئی ثواب نہیں، کیونکہ اس کو اس گناہ کے کرنے پر قدرت ہی نہیں تھی، اگر جھوٹ بولنا چاہتا بھی تو نہیں بول سکتا تھا، نہ غیبت کر سکتا تھا، لہٰذا اس کو ان گناہوں کے ترک پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

اندھے کو تمنا نہ کرنے کا ثواب ملے گا

آگے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ وہ اندھا شخص اگرچہ دیکھنے پر تو قادر نہیں تھا، لیکن دیکھنے کی تمنا پر تو قادر تھا، یعنی یہ تمنا تو کر سکتا تھا کہ کاش میری آنکھ ہوتی تو یہ لذت لیتا، یا فلاں گناہ کرتا، گونگا بول نہیں سکتا، لیکن یہ تمنا کر سکتا تھا کہ کاش میری زبان ہوتی تو یہ جھوٹ بولتا، یا فلاں کی غیبت کرتا، اب تمنا بھی کر رہا ہے، اور قصد بھی ہو رہا ہے، اور اپنے اختیار سے گناہ کی تمنا کرنا بھی گناہ ہے، اب اگر اس شخص کے دل میں گناہ کی تمنا کرنے کا داعیہ اور تقاضہ پیدا ہوا تھا، لیکن اس نے تمنا نہیں کی، اللہ کے ڈر اور خوف سے تمنا کرنے سے رک گیا تو پھر اس کو صبر کی تیسری قسم کا ثواب بھی ملے گا۔

تکلیف کا اجر تو ضرور ملے گا

آگے ارشاد فرمایا کہ:

> یہ تفصیل تو اجر صبر میں ہے، اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے، اس میں صبر کی قید نہیں، اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے، ایک صبر کا، دوسرے تکلیف کا، اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر

ملے گا، اور بے صبری کا گناہ ہوگا، جیسے ایک شخص نماز پڑھے،
اور روزہ نہ رکھے تو نماز کا ثواب ملے گا اور روزہ نہ رکھنے کا
گناہ ہوگا (ایضاً)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بے صبری کا مظاہرہ کرے، مثلاً نوحہ کرے، یا ماتم کرے، یا دل میں اللہ جل شانہ کے فیصلے پر شکوہ ہو، یہ بے صبری ہے تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بے صبری کے نتیجے میں تکلیف پر جو ثواب ملتا، وہ چلا گیا، حضرت والا فرما رہے ہیں کہ یہ سمجھنا غلط ہے، کیونکہ دونوں ثواب الگ الگ ہیں، ایک ثواب تو تکلیف پہنچتے ہی مل گیا، چاہے صبر کرو، یا صبر نہ کرو، وہ ثواب صبر کرنے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص بے صبری کرے تو بے صبری کا گناہ ہوگا، لیکن تکلیف پہنچنے کا ثواب بھی ملے گا۔

نماز کا ثواب، گناہ کا عذاب

یہ بالکل ایسا ہے جیسے ایک شخص نماز پڑھے، ساتھ میں کوئی گناہ بھی کرے، تو اب نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا، اور گناہ پر عذاب بھی ملے گا، دونوں اپنی اپنی جگہ پر ہونگے، ایسا نہیں ہوگا کہ چونکہ گناہ کیا تھا، لہٰذا نماز کا ثواب بھی ضائع ہوگیا۔

ہر چیز کا حساب الگ مقرر ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو ثواب کا کام ہے، اس پر ثواب ملے گا، جو عذاب کا کام ہے، اس پر عذاب، یہ نہیں کہ عذاب کے کام کی وجہ سے ثواب کا کام بھی جاتا رہا، ایسا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر ایک چیز کا

حساب الگ مقرر ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض گناہوں کی بے برکتی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی بعض اوقات نیک کام سے محروم ہو جاتا ہے، وہ الگ بات ہے، لیکن جہاں تک ثواب کا تعلق ہے، ثواب ضرور ملے گا، ایک شخص نے نماز پڑھی، اس کو نماز کا ثواب مل گیا، اب مسجد سے باہر نکل کر اس نے جھوٹ بول دیا، اب اس کو جھوٹ کا گناہ بھی ہوگا۔ لیکن جھوٹ بولنے کی وجہ سے نماز کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔

ایک تکلیف پر تین رحمتیں

اسی بات کو حضرت والا فرما رہے ہیں کہ جو تکلیف پہنچی، اس تکلیف کے نتیجے میں انسان کو جو صدمہ ہوا، اس پر براہ راست ثواب اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا، قطع نظر اس سے کہ تم اس تکلیف صبر کرتے ہو یا نہیں اور اگر تم نے صبر بھی کیا تو دوسرا ثواب عطا فرما دیا، اور اگر صبر نہیں کیا، بلکہ بے صبری کی تو اس پر گناہ ہوگا ----- یہ بڑی دقیق باتیں ہیں جو حضرت والا نے یہاں بیان فرمائی ہیں ----- خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تکلیف کے اوپر تین ثواب رکھے ہیں۔ ایک تکلیف کا ثواب، دوسرے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے کا ثواب، تیسرے قدرت کے باوجود انتقام نہ لینے کا ثواب، میرے مولیٰ کا کرم دیکھو کہ ایک تکلیف دی، اور اس پر رحمت کے تین دروازے کھول دیئے۔

زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام دین ہے

اسی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں، تکلیف کے وقت ان کی نظر ان رحمتوں کی طرف ہوتی ہے، دیکھنے میں یہ تکلیف اور پریشانی لگ رہی ہے،

لیکن حقیقت میں اس کے ذریعے درجات بلند ہو رہے ہیں، بس تھوڑا سا دھیان دینے کی بات ہے ــــــ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں: دین تو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، وہی کام تم پہلے بھی کر رہے تھے، اب ذرا زاویہ نگاہ بدل دو، اور دوسرے زاویہ سے کرنا شروع کر دو، پہلے وہ دنیا تھی، اور اب دین ہو گیا۔

تکلیف کو راحت بنانے کا آسان طریقہ

دنیا میں کوئی آدمی ایسا ہے جس کو تکلیف نہ پہنچے؟ اس دنیا میں تو تکلیف ضرور پہنچے گی، بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا صاحب اقتدار، بڑے سے بڑا فلسفی، بڑے سے بڑا دانشور، بڑے سے بڑا صاحب دولت ایسا نہیں ہے، جس کو کبھی تکلیف نہ پہنچی ہو، اب ایک طریقہ یہ ہے کہ تم اس تکلیف کو تکلیف بنائے رکھو، اور اس تکلیف کو اپنے لئے وبال جان بنالو، اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اس تکلیف کا ایسا علاج کرو کہ تکلیف تمہارے لئے راحتوں کا اور رحمتوں کا ذریعہ بن جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب تکلیف پہنچے تو اس وقت یہ تصور کرو کہ بیشک یہ تکلیف پہنچی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے ثواب کا ذریعہ بنایا ہے:

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر

دوسرے یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی ہوں، چاہے صدمہ ہو، چاہے تکلیف ہو، چاہے رنج ہو، لیکن میں اس پر راضی ہوں، تو اللہ تعالیٰ مجھے رضا بالقضا کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے، تیسرے یہ سوچو کہ میں انتقام لے کر کیا کروں گا، مجھے جو تکلیف پہنچی ہے، اگر میں ویسی تکلیف دوسرے کو پہنچا دوں گا،

شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس سے مجھے کیا ملے گا؟ لیکن اگر معاف کر دوں گا تو مجھے بہت کچھ ملے گا، اس لئے میں بدلہ نہیں لیتا، میں معاف کرتا ہوں ــــــــ لہٰذا میں کیوں ایک تکلیف پر تین ثواب نہ کمالوں، جب یہ سوچو گے تو اس سے زاویہ نگاہ بدل جائے گا، اور زاویہ نگاہ کے بدلنے سے وہ تکلیف راحت اور عافیت اور رحمت بن جائے گی۔

یہ رحمت دشمنوں کو کیوں ملے

اسی بات کو ایک شعر میں کہا گیا ہے، یہ شعر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت پسند تھا، اور آپ کے تقریباً ہر وعظ میں یہ شعر موجود ہے:

نہ شود نصیب دشمن کہ بود ھلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اس شعر کا مصداق بڑا خطرناک ہے، ہمارے بس کی بات نہیں، اس لئے کہ ہم کمزور ہیں، لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ: تیری تلوار سے ہلاکت میرے دشمنوں کا مقدر کیوں ہو؟ دوستوں کا سر سلامت ہے تو اس پر اپنا خنجر آزما، یعنی ہمیں تو تیرے خنجر آزمانے میں لذت ہے، یہ لذت ہمارے دشمنوں کو کیوں ملیں، یعنی تیری طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، ان تکلیفوں پر ان ثوابوں کا تصور کریں جو ان پر ملنے والے ہیں، یا اس تکلیف کا رونا روئیں، کیونکہ جو تکلیف آپ کی طرف سے پہنچتی ہے وہ حقیقت میں رحمت ہوتی ہے، اور جب وہ رحمت ہوتی ہے تو وہ رحمت میرے دشمن کے پاس کیوں جائے، میرے پاس کیوں نہ آئے ---- ہم جیسے کمزوروں کو یہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہ اونچے لوگ ہیں جو

یہ بات کہتے ہیں، ہمارے بس کی بات نہیں، ہمیں تو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنی چاہئے۔

بزرگوں کی صحبت زاویہ نگاہ بدل دیتی ہے

لیکن حضرت والا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تکلیف مت مانگو، لیکن جب تکلیف آجائے تو اس وقت یہ تصور کرو کہ میاں، یہ تو دینے والے کی عطا ہے، یہ عنوان اگرچہ تکلیف کا ہے، لیکن حقیقت میں رحمت ہے، اس کے ذریعہ کتنے اجر وثواب کے دروازے کھول دیئے ــــــ یہ چیز زاویہ نگاہ کے تبدیل کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور بزرگوں کی صحبت سے یہی چیز حاصل ہوتی ہے کہ ان باتوں کی طرف نگاہ جانے لگتی ہے، پہلے تو غفلت کے عالم میں تھے، خوشی آگئی تو آنے دو، تکلیف آگئی تو آنے دو، نہ خوشی پر کوئی شکر ہے، نہ تکلیف پر کوئی صبر ہے، اس طرح کی زندگی گزر رہی تھی، لیکن جب کسی اللہ والے سے تعلق قائم کیا، اور اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کیا تو اس نے زاویہ نگاہ کو بدل دیا۔ اس کے نتیجے میں خوشی بھی وہی رہے گی جو پہلے ہوا کرتی تھی، لیکن اب اس خوشی پر زاویہ نگاہ بدل جائے گا کہ خوشی آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے، تو وہ خوشی تمہارے لئے باعث اجر وثواب بن جائے گی، اور تکلیف جیسے پہلے آتی تھی، اب بھی آئے گی، شیخ کے پاس آنے سے تکلیفیں رفع نہیں ہوتیں، لیکن پہلے تکلیف اس طرح آتی تھی کہ تکلیف ہی تکلیف ہوتی تھی، اب ہم نے تمہارا زاویہ نگاہ تبدیل کر دیا، اب یہ تکلیف تمہارے لئے رحمت بن کر آئے گی، بزرگوں کے پاس جانے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس

کوئی جنتر منتر ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ تمہیں گناہوں سے بچالیں گے، تمہیں جنت میں پہنچادیں گے، ایسا کچھ نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ کرنا ہوتا ہے، آدمی کو خود کرنا ہوتا ہے، لیکن ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہارا زاویہ نگاہ تبدیل کردیں گے۔

صحبت اولیاء سوسالہ عبادت سے بہتر

اسی واسطے فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر است از صد سالہ طاعتِ بے ریا

یعنی اللہ والے کی ذرا دیر کی صحبت سو سال کی بے ریا طاعت سے بہتر ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جب اس کے پاس نہیں گئے تھے اور اس کی صحبت حاصل نہیں کی تھی تو زاویہ نگاہ درست نہیں ہوا تھا، اور اس نے ایک لمحہ میں زاویہ نگاہ تبدیل کردیا، جو باتیں پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اب سمجھ میں آنے لگیں، جن باتوں کی طرف پہلے دھیان نہیں ہوتا تھا، اب ہونے لگا، جس چیز کی طرف پہلے نگاہ نہیں جاتی تھی، اب جانے لگی، یہ چیزیں بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں، جو صد سالہ طاعت بے ریا سے بہتر ہے۔

راحت اور تکلیف دونوں پر اجروثواب

بہر حال! اس دنیا میں خوشی بھی آئے گی، اور تکلیف بھی آئے گی، جب خوشی آئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور جب تکلیف آئے تو اس وقت ان تین باتوں کا تصور کرو کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے اجروثواب کے تین راستے عطا فرمادیے ہیں، اور میرا زاویہ نگاہ بھی درست ہوگیا، اب الحمدللہ وہ حدیث صادق

آ گئی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مؤمن کا کسی حال میں گھاٹا نہیں، اگر اس کو راحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ اس پر شکر ادا کرتا ہے، اس پر اسکو ثواب ملتا ہے، اگر تکلیف پہنچتی ہے، اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر اس کو ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تکالیف'' ترقی درجات کا سبب ہیں

مجلس نمبر 99

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دار العلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	99

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”تکالیف“ ترقی درجات کا سبب ہیں

مجلس نمبر 99

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رسوله الکریم، وعلی آله واصحابه اجمعین۔ امابعد:

افلاطون کا سوال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

گزشتہ چند روز سے صبر کا بیان چل رہا ہے، انہی ملفوظات میں ایک ملفوظ یہ ہے کہ:

افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حوادث تیر ہوں، اور آسمان کمان ہو، تیر انداز حق تعالیٰ ہوں، تو بچنے کی کیا صورت ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیر انداز کے پہلو میں جا کھڑا ہو، پھر تیر سے بچ جائے گا، کیونکہ تیر اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اس کی زد پر ہو، اور جو تیر انداز کے پہلو میں کھڑا ہو، اس پر تیر نہیں پہنچتا، یعنی تعلق مع اللہ ایک ایسی چیز

ہے، جس سے حوادث ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۲۱۱)

ایسے تیروں سے بچنے کا کیا راستہ؟

یہ ایک روایت ہے، اس زمانے کی روایات کوئی بہت زیادہ مضبوط سند والی نہیں ہوتیں، لیکن جس طرح اور تاریخی روایات ہیں، اسی طرح کی یہ بھی ایک روایت ہے ______ اس میں افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حوادث تیر ہوں، یعنی حوادث زمانہ کو تیر تصور کریں، اور آسمان کو کمان، جس طرح کمان سے تیر چلتا ہے، اسی طرح آسمان سے حوادثِ روزگار انسانوں کو پہنچ رہے ہیں، اور حق تعالیٰ تیر انداز ہیں، یعنی وہ حوادث زمانہ کے تیر چلا رہے ہیں، تو ایسی صورت میں ان تیروں سے بچنے کا کیا راستہ ہے؟ کیونکہ پورا آسمان کمان بنی ہوئی ہے تو ساری دنیا اس کی زد میں ہے، اور تیر انداز بھی کوئی اناڑی نہیں ہے، جس کا نشانہ خطا ہو جائے، بلکہ تیر انداز حق تعالیٰ ہیں، تو اب بچنے کا کیا راستہ ہے؟

تیر انداز کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیر انداز کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو جائے، وہاں تیر نہیں آئے گا، کیونکہ تیر اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اس کی زد پر ہو، اور جو شخص تیر انداز کے پہلو میں کھڑا ہوگا، اس پر تیر نہیں پہنچتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اگر ان تیروں سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا کرو، اللہ جل شانہ سے تعلق پیدا کرو، جب اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے گا، تو پھر یا تو تیر لگے گا نہیں، یعنی حادثہ پیش نہیں آئے گا، یا اگر حادثہ پیش آئے گا تو اس

پیش آنے والے حادثہ پر غم، صدمہ اور پریشانی اس درجہ کی نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جڑا ہوا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جڑا ہوا ہوتا ہے تو پھر تکلیف اور پریشانی بھی پریشانی نہیں رہتی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مجھے یہ جو کچوکے لگ رہے ہیں، یہ جو مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت سے پہنچ رہی ہے اور میرے حق میں بالآخر فائدہ مند ہے، اور مجھے اس پر اجر ملنے والا ہے، اس کے ذریعہ میرے درجات بلند ہونے والے ہیں۔

یہ تکلیف میرے فائدے کیلئے ہے

جیسے کل میں نے ایک مثال دی تھی کہ کوئی شخص ڈاکٹر سے آپریشن کرارہا ہے، تو اس آپریشن کے نتیجے میں تکلیف بھی ہورہی ہے، آہ آہ بھی کررہا ہے، لیکن دل میں یہ یقین ہے کہ ڈاکٹر میرا ہمدرد ہے، یہ میرا خیرخواہ ہے، تو جب انسان کا اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اگر اس کے بعد کوئی پریشانی اور تکلیف بھی آتی ہے تو آدمی کے دل میں یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فائدے کے لئے یہ تکلیف دی ہے، اگرچہ مجھے اس سے تکلیف ہورہی ہے---- جب یہ اطمینان ہے تو ٹیسیں بھی اٹھیں گی، آہیں بھی نکلیں گی، آنسو بھی نکلیں گے، لیکن دل میں شکوہ نہیں ہوگا، بلکہ دل میں اطمینان ہوگا کہ انجام کار بہتر ہے، اور انشاء اللہ اس سے مجھے فائدہ پہنچے گا۔

یہ تکالیف ''اضطراری مجاہدہ'' ہیں

اور جب تعلق مع اللہ کے ساتھ تکلیفیں ا ں ہیں، یا مصائب آتے ہیں، تو ایک طرف تو یہ فائدہ ہے کہ آدمی کو پریشانی نہیں ہوتی، اور پریشانی کا مطلب ہے

کہ گھبراہٹ ہے، چین نہیں آ رہا ہے، اور بے چینی ہے، بلکہ تکلیف کے باوجود اللہ جل شانہ کے فیصلے پر راضی ہے ______ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب تعلق مع اللہ کے ساتھ مصائب آتے ہیں تو یہ ''مجاہدہ اضطراری'' ہوتا ہے، یعنی یہ ''غیر اختیاری مجاہدہ'' ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر آ رہا ہے، اور بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ غیر اختیاری مجاہدے میں انسان کے درجات بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔

پہلے صوفیاء اختیاری مجاہدے کراتے تھے

آپ نے سنا ہوگا کہ پہلے زمانے میں لوگ جب اولیاء کرام اور صوفیاء کرام کے پاس اصلاح کے لئے جاتے تھے تو وہ صوفیاء مجاہدے کرایا کرتے تھے، اور مجاہدوں کا مطلب یہ ہے کہ مشقتوں اور ریاضتوں کا کام کرایا کرتے تھے، مثلاً کسی کو اس کام پر لگا دیا کہ تم مسجد کے حمام کے چولہے جھونکا کرو، کسی کو اس کام پر لگا دیا کہ تم نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو، کسی کو لگا دیا کہ تم وضو کے لئے پانی بھر کے لایا کرو، یہ سب مشقت کے کام کرا رہے ہیں، تاکہ جو نفس گناہوں کا عادی ہو گیا ہے، اس کو ذرا مشقت سہنے کا عادی بنا دیا جائے، اور بالآخر وہ گناہوں سے بچے، اس کام کے لئے مجاہدے کرائے جاتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں مجاہدے کرائے گئے

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ یہ ہوا کہ مکہ مکرمہ میں مجاہدے ہو رہے ہیں، مشرکین مکہ نے ظلم وستم ڈھانے کا کوئی طریقہ ان پر نہیں چھوڑا، مارنا، پیٹنا، دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹانا، پتھروں کی سلیں سینوں پر رکھنا، یہ سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جا رہا تھا کہ صبر

کرو، اور جواب مت دو، وہ اگر تھپڑ مار رہے ہیں تو ایک تھپڑ بھی تم ان کو نہ مارو، یہ سب مجاہدہ ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ مجاہدات کے ذریعہ انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔

غیر اختیاری مجاہدات سے ترقی تیزی سے ہوتی ہے

لیکن ایک مجاہدہ اختیاری ہوتا ہے، جو بندہ اپنے اختیار سے کرتا ہے، جیسے صوفیاء کرام اپنے مریدوں سے کراتے ہیں ـــــ اور ایک مجاہدہ غیر اختیاری اور اضطراری ہوتا ہے۔ یعنی من جانب اللہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اس کی وجہ سے مشقتوں سے گزر رہا ہے، صدمے اور تکلیفیں آ رہی ہیں، اگر تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ راستہ صحیح ہو تو پھر ان غیر اختیاری مجاہدات میں روحانی ترقی بڑی تیز رفتاری سے ہوتی ہے ـــــ لہٰذا اگر ایک سال تک کسی خانقاہ میں رہ کر جو مجاہدات کرو گے، ان کا وہ فائدہ نہیں ہوگا جو ایک مہینہ تک غیر اختیاری طور پر مصائب اور مشکلات سے فائدہ ہوگا، تو مجاہدہ اضطراری کے نتیجے میں ایک مہینے میں وہ فاصلہ طے ہو جائے گا جو سال بھر میں طے نہیں ہوا تھا۔ بہر حال! مجاہدہ اضطراریہ میں یہ فائدہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تکالیف جو آتی ہیں، یہ بالآخر ایک مؤمن کے لئے فائدہ مند ہوتی ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ترقی درجات کا باعث ہوتی ہیں، روحانی مدارج طے ہو جاتے ہیں، اور آخرت میں اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

تکلیف نہیں، عافیت مانگو

یہ اور بات ہے کہ تکالیف مانگنے کی چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت

مانگو، کہ یا اللہ! ہم کمزور ہیں، معلوم نہیں کہ ہم ان تکالیف کا تحمل کر سکیں، یا نہ کر سکیں، ہم اپنی بہادری کا دعویٰ نہیں کرتے، اس لئے یا اللہ! ہم آپ سے عافیت مانگتے ہیں، لیکن جب تکلیف آئے گی تو اس پر صبر و تحمل کی بھی توفیق آپ سے مانگتے ہیں، البتہ ان تکالیف کے دور کرنے کا علاج بھی کرو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ یقین رکھو کہ یہ تکالیف بالآخر میرے لئے ان شاء اللہ فائدہ مند ہیں۔

سقوط ڈھاکہ کا واقعہ

یہ ''تعلق مع اللہ'' تکالیف کے وقت پریشانی کو دور کر دیتا ہے، کیونکہ ''تعلق مع اللہ'' کے بعد جو مصیبتیں آئیں گی، یا پریشانیاں آئیں گی، اس کے نتیجے میں گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہوگی، جس وقت ''مشرقی پاکستان'' کے الگ ہونے کا واقعہ پیش آیا، اس وقت پاکستان کے نوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیے، تو اس موقع پر اتنا صدمہ ہوا کہ کسی طرح قرار نہیں آتا تھا، ہر وقت دماغ پر وہی صدمہ مسلط ہو گیا، نہ نماز میں دل لگ رہا تھا، نہ تلاوت قرآن کریم میں دل لگ رہا تھا، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، ہر وقت پریشانی دل پر چھائی رہتی کہ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا، تاریخ میں کبھی بھی اتنی بڑی تعداد میں مسلمان فوجیوں نے کافروں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تھے، جیسے وہاں ڈال دیے۔

چنانچہ میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت! مجھے یہ صدمہ ہے، اور اس صدمہ کی وجہ سے کسی پل قرار نہیں آ رہا ہے، پریشانی ہے کہ آئندہ کیا ہوگا، اور اس کی وجہ سے نہ نماز میں دل لگ رہا ہے، نہ کسی اور کام میں دل لگ رہا ہے، جواب میں حضرت والا نے ایک جملہ تحریر فرمایا، اس جملہ نے دروازہ کھول دیا کہ الحمد للہ آج تک اس کی ٹھنڈک دل میں محسوس ہوتی

ہے، اور جب کبھی اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو حضرت والا کا یہ جملہ یاد آجاتا ہے جس کی وجہ سے پریشانی نہیں ہوتی، وہ جملہ یہ تھا کہ:

غیر اختیاری امر پر اتنا تأثر قابل اصلاح

''غیر اختیاری امور پر اتنا تأثر لینا قابل اصلاح ہے''

یعنی جو بات انسان کے اختیار میں نہیں، اور غیر اختیاری طور پر ہوگئی، اور منجانب اللہ ہوگئی، کیا تمہارے اختیار میں ہے اس کا مداوا کرنا؟ اس کا علاج تمہارے اختیار میں ہے؟ نہیں، تو غیر اختیاری طور پر جو بات پیش آگئی ہے، اس پر اتنا تأثر لینا کہ آدمی بے چین اور بے حد پریشان ہو جائے، یہ خود قابل اصلاح ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ رضا بالقضا میں کمی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل میں کمی ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت پر بھروسہ ہوگا، وہ کبھی کسی غیر اختیاری حادثے اور واقعہ پر اتنا تأثر نہیں لے گا، کہ پریشانی لاحق ہو جائے۔

جس کا اللہ ہو، اس کو کیسی پریشانی

ایک مرتبہ میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) کو ایک بات لکھی، اس کے جواب میں حضرت والا نے ایک جملہ ارشاد فرمایا وہ جملہ بھی بڑا عجیب وغریب تھا، وہ جملہ یہ تھا کہ:

''میاں! جس کا اللہ ہو، اس کا پریشانی سے کیا تعلق''

یعنی جتنا بھی بڑے سے بڑا حادثہ پیش آجائے، کتنا بڑے سے بڑا

صدمہ آ جائے، یا تکلیف آ جائے، لیکن جب اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قائم ہے تو پھر کیسی پریشانی؟ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر جب تک اپنی خواہشات کو فنا نہ کرے گا، اس وقت تک وہ اللہ کا صحیح بندہ نہیں بنے گا، لہٰذا اپنی خواہشات کو اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں فنا کر دو۔

کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں بڑے عیش اور بڑی راحت میں ہوں، پھر فرمایا کہ میاں! اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کا حال یہ ہے کہ کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا، جب کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا تو اس سے میری راحت کا اندازہ لگالو ــــــــ سوال کرنے والے نے کہا کہ حضرت: یہ مقام تو کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہوا کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہوا ہو، اور کائنات کے سارے کام اس کی مرضی کے مطابق ہوتے ہوں، انبیاء کو بھی تکلیفیں پیش آئیں، ان کی مرضی کے خلاف بھی واقعات پیش آئے۔ جواب میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا ہی کر دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مرضی، وہ میری مرضی، اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بخار آ جائے تو میری مرضی بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ میری پٹائی ہو، میری مرضی بھی یہی ہے کہ میری پٹائی ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ مجھے تکلیف پہنچے، میری مرضی یہ ہے کہ مجھے تکلیف پہنچے، لہٰذا میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے، اور جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہو رہا ہے، گویا کہ وہ میری مرضی

سے ہو رہا ہے، کیونکہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔

تکلیفیں آئیں گی، لیکن پریشانی نہیں آئیگی

بہر حال! جب "تعلق مع اللہ" پیدا ہو جاتا ہے تو پھر کیسی تکلیف! کیسی پریشانی، اس لئے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میاں! جس کا اللہ ہو، اس کا پریشانی سے کیا تعلق؟ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اس کی طرف سے ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر اس کو مطمئن ہونا چاہئے، مطمئن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا چاہئے، اور اگر صدمہ ہو رہا ہے تو ہونے دو، آنسو بہہ رہے ہیں تو بہنے دو، لیکن دل مطمئن ہونا چاہئے، یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی کہ حوادث سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ تیر انداز کے پہلو میں جا کر کھڑے ہو جاؤ، یعنی اس کے ساتھ تعلق پیدا کرلو، البتہ اس تعلق کے بعد بھی حادثات پیش آئیں گے، کیونکہ یہ دنیا ہے، یہ جنت نہیں ہے، اور تکلیفیں بھی آئیں گی، پریشانیوں کے اسباب بھی پیدا ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا تو وہ مصیبت کے اسباب پریشانی کا سبب نہیں بنیں گے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

کتنے کام کی بات بتا دی کہ کیسی ہی پریشانی آجائے، کیسی ہی تکلیف آجائے، بس اس وقت آدمی یہ سوچ لے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، اور جب میرے اختیار میں نہیں ہے تو یہ منجانب اللہ ہے، اور جب یہ منجانب اللہ ہے تو میں اس پر راضی ہوں، بس اتنی سی مختصر بات ہے ____ یہ جو افغانستان میں جو کچھ ہوا، کیا اس کو دفع کرنا تمہارے اختیار میں تھا؟ نہیں، جب یہ غیر اختیاری ہے،

تو منجانب اللہ ہے اور جب منجانب اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ، اوران کے حوالے کردو۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِO

(سورہ مومن، آیت ۴۴)

میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو دیکھنے والا ہے، تم بندوں کو دیکھنے والے نہیں ہو کہ فلاں بندے کے ساتھ یہ ہونا چاہیے تھا، یہ کیوں ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے جو فیصلہ کیا ہے، وہی فیصلہ برحق ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، صدمہ ہو رہا ہے تو ہونے دو، اس صدمہ پر تمہیں انشاء اللہ ثواب ملے گا، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، یا اللہ! تنگی ہورہی ہے، فراخی پیدا فرما دیجئے، لیکن فیصلے پر راضی رہو۔

کیا اپنے دشمنوں کے خلاف بددعا نہ کی جائے؟

ایک صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ "کل آپ نے صبر پر بیان فرمایا تھا، اس میں یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص انتقام لینے پر تو قادر نہیں، مگر اس کے لئے بددعا کرنے پر قادر ہے، اگر وہ بددعا نہ کرے تو اس کو بھی صبر کرنے کا ثواب ملے گا، آج کل کے حالات کے پیش نظر جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادی مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں، وہ ان سے انتقام لینے پر قادر نہیں، لیکن مسلمان ان کے لئے بددعائیں کررہے ہیں، تو کیا مسلمان بددعا نہ کریں؟ اور قنوت نازلہ نہ پڑھیں؟

اجتماعی مسئلہ کی صورت میں نہ صبر، نہ معافی

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا تھا، وہ اس بارے میں تھا

جہاں انسان کو اپنی ذاتی تکلیف کا انتقام کسی شخص سے لینا ہو، وہاں بددعا دینا اچھا نہیں، اور انتقام لینا بھی اچھا نہیں، لیکن جہاں کوئی اجتماعی مسئلہ ہو، جیسے جہاد ہے کہ جہاد کے اندر کافر تم پر حملہ کر رہا ہے، اور تم بیٹھ کر صبر کرو، اور یہ کہو کہ میں معاف کرتا ہوں، اس صورت میں نہ تو صبر کا موقع ہے، نہ معافی کا موقع، بلکہ یہ اقدام کا موقع ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جتنا تمہاری طاقت میں ہے، اتنا انتقام لو، اگر تلوار اور اسلحہ کے ذریعہ جواب دینا طاقت میں نہیں ہے، تو پھر دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو مجھ سے دور کر دیجئے، یہ صبر کا موقع نہیں، صبر کا موقع وہ ہوتا ہے جہاں انسان کا ذاتی مسئلہ ہو، یا ذاتی تکلیف ہو، اس ذاتی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے دوسرے آدمی کو حق ہے، چاہے وہ انتقام لے، چاہے انتقام نہ لے، دعا کرے، چاہے تو نہ کرے، بہر حال! جہاد والی صورت پر یہ بات صادق نہیں آتی۔

اعمال شرعیہ میں ہمت کی ضرورت

ایک اور ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اعمال شرعیہ کو اللہ تعالیٰ نے ''صبر'' کے عنوان سے بیان فرمایا ہے: اِصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا تاکہ سنتے ہی مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ اس میں ہمت کی ضرورت ہوگی، پس اب سالکین کو جی نہ لگنے کی شکایت کرنا فضول ہے، کیونکہ تم کو تو صبر ہی کرنے کا امر ہے۔ اور ہر عمل کی حقیقت صبر ہی ہے، اور صبر میں جی نہ لگنا کیسا؟ بلکہ جی نہ لگنے کی صورت میں زیادہ خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ثواب زیادہ دینا چاہتے ہیں'' (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۲)

تقویٰ کا مقام صبر سے حاصل ہوگا

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ''صبر'' کا مفہوم بڑا وسیع ہے، طاعات پر صبر، معصیتوں سے صبر، مصیبت پر صبر، سارے اعمال شرعیہ اس میں آجاتے ہیں، تو قرآن کریم میں سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (سورہ آل عمران، آیت ۲۰۰)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے تقویٰ کا حکم سب سے آخر میں دیا، اور اس سے پہلے فرمایا کہ صبر کرو، اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین بھی کرو، یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو صبر کی تلقین کرے، اور اپنے نفس کو باندھ کر رکھے، یہ تینوں لفظ درحقیقت صبر ہی کے بارے میں بیان فرمائے ہیں، پھر آخر میں فرمایا کہ: ''واتقوا اللہ'' تقویٰ اختیار کرو ــــــ اسی سے اشارہ اس طرف فرمادیا کہ تقویٰ کا مقام حاصل کرنے کے لئے پہلے صبر کی ضرورت ہوگی، اس نفس کو روکنا بھی پڑے گا، اس کو باندھنا بھی پڑے گا، طبیعت کے خلاف اور مزاج کے خلاف باتوں پر صبر بھی کرنا پڑے گا، تب جاکر تقویٰ حاصل ہوگا، اور اس میں نفس کو تھوڑا سا کچلنا بھی پڑے گا، مارنا بھی پڑے گا، یہ تقویٰ ویسے ہی حاصل نہیں ہوگا۔

آزمائشوں سے گزرنا ہوگا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ O (سورۃ العنکبوت، آیت ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ بس جب یہ کہہ دیں گے ہم ایمان لے آئے، بس اتنا کہنا کافی ہوگا، کیا ان پر آزمائش نہیں آئے گی؟ ہرگز نہیں، بلکہ جب تم ایمان لائے ہو، اور جنت کی خواہش ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خواہش ہے تو پھر تمہیں آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا، ان آزمائشوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریعت نے جس کام کے کرنے کو کہا ہے، وہ کام کرنا پڑے گا، یا تمہارا دل ایک کام کے کرنے کو چاہ رہا ہوگا، لیکن شریعت کے حکم کی وجہ سے اس کام سے رکنا پڑے گا، طبیعت کے خلاف یہ سب کام کرنے ہوں گے، اس کے بغیر تقویٰ کی منزل حاصل نہیں ہوگی۔

تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جس راستے پر تم چلے ہو، اس راستے میں تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی، لہٰذا کمر کس لو، یہ نہیں ہوگا کہ جیسی زندگی پہلے گزر رہی تھی، ویسی زندگی گزرتی چلی جائے گی، اور تقویٰ بھی حاصل ہو جائے گا، اور جنت بھی مل جائے گی ___ رِند کے رِند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی ___ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ تھوڑی سی محنت کرنی ہوگی۔

کیا نماز لذت اور مزہ کیلئے پڑھتے ہو؟

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جو لوگوں کو اکثر و بیشتر شکایت ہوتی ہے کہ نماز میں

دل نہیں لگتا، نماز میں مزہ نہیں آتا۔ نماز میں کیف وسرور نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح ذکر میں عبادت میں کیف وسرور اور لطف محسوس نہیں ہوتا۔ بس ایک عادت ہے، اس عادت کے مطابق نماز پڑھتے رہتے ہیں، لیکن نماز میں نہ کیف ہے، نہ لطف ہے، نہ رقت ہے، نہ خشوع وخضوع ہے، ذکر واذکار اور معمولات بھی ہو رہے ہیں، لیکن ان میں بھی دل نہیں لگتا، نہ مزہ آتا ہے، بس رسم کے مطابق انجام دے رہے ہیں، سالکین کو جو یہ شکایت ہوتی ہے، اس کے بارے میں حضرت والا فرما رہے ہیں کہ یہ سوچو کہ یہ جو نماز پڑھتے ہو، یا ذکر واذکار کرتے ہو، کیا اس کا مقصد مزہ اور لطف لینا ہے؟ کیا کیف وسرور کا حصول مقصود ہے؟ اگر لذت اور مزہ لینے کے لئے یہ عمل کر رہے ہو، پھر تو اخلاص ہی نہ ہوا۔ کیونکہ جس راستے پر تم چلے ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا راستہ ہے، اور حکم کی اطاعت میں تو نفس کے خلاف کرنا پڑے گا۔

طاعات میں لگا رہے

لہٰذا اگر عبادات وطاعات میں لذت نہیں آ رہی ہے تو اصل تقاضہ یہ ہے کہ لذت نہ آئے، مزہ نہ آئے، اور طاعات کی ادائیگی میں صبر کرنا پڑ رہا ہے، لہٰذا مزہ لذت نہ آنے کی صورت میں گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہاں! دل نہ لگنے کے باوجود، مزہ نہ آنے کے باوجود پھر بھی طاعات میں لگا رہا اور یہ سوچا کہ میں یہ کام کروں گا، کیونکہ میرے اللہ کا حکم ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اجر و ثواب زیادہ ملتا ہے۔

دل لگنا ضروری نہیں، لگانا ضروری ہے

کسی شخص نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت! کیا کروں؟ ساری عبادات کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، ذکر کرتا ہوں، مگر دل لگتا ہی نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو حال پہلے دن تھا، وہی حال آج ہے، کوئی ترقی ہی نہیں ہوئی، حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ:

''دل لگنا ضروری نہیں، لگانا ضروری ہے''

یعنی اپنی طرف سے تم کوشش کرو کہ دل لگ جائے، توجہ ہو جائے، کوشش کرنا فرض ہے، کوشش کرنے کے بعد واقعی دل لگ بھی جائے اور سارے خیالات دور ہو جائیں، یہ کوئی ضروری نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہیں گے تو دل لگے گا، وہ نہیں چاہیں گے تو دل نہیں لگے گا، اپنی طرف سے کوشش دل لگانے کی جاری رہے، مثلاً نماز پڑھتے وقت جو الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں، ان کی طرف دھیان دو، جب تم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ میں

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

پڑھ رہا ہوں، بس اتنا کر لینا کافی ہے، جب یہ کام کر لیا تو بس خشوع حاصل ہو گیا، اب اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آ گئے، وہ غیر اختیاری ہیں، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہیں، اس پر گرفت نہیں، اس لئے کہ دل کا لگانا ضروری ہے، تمہاری کوشش کے بعد دل کا لگنا ضروری نہیں۔

میں ایسے شخص کو مبارکباد دیتا ہوں

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جس شخص کو ساری عمر کبھی نماز میں مزہ نہ آیا، نہ کوئی کیفیت محسوس ہوئی، لیکن اس نے نماز چھوڑی نہیں، بلکہ پڑھتا رہا، میں اس کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس کا یہ عمل مقبول ہے''

کیونکہ اگر اس کو نماز میں لذت آرہی ہوتی تو اس میں اس بات کا شائبہ تھا کہ یہ لذت کے لئے اور مزہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہے، لیکن جس کو ساری عمر لذت نہ آئی، وہ تو اپنے دل پر آرے چلاتا رہا، اور اللہ کے لئے چلاتا رہا، اس کا عمل زیادہ اخلاص پر مبنی ہے۔ انشاء اللہ

حکم بجالاتے رہو

لہٰذا ہمارے دلوں میں اکثر و بیشتر یہ خیال پیدا ہوتا رہتا ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا، مزہ نہیں آتا، لذت نہیں آتی، ارے نہ ہوا کرے، ان چیزوں کا حاصل ہونا کہاں مطلوب و مقصود ہے، حاصل نہ ہو ___ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ تمہارا قدم صحیح راستے پر ہے یا نہیں؟ جو حکم تمہیں دیا گیا تھا، اس کو بجالا رہے ہو یا نہیں؟ اگر بجالا رہے ہو تو کہو

"اَلْحَمْدُلِلّٰه" اَللّٰهُمَّ لك الحمد ولك الشكر

برصراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

جب صراط مستقیم پر قدم ہیں تو پھر کوئی گمراہ نہیں، البتہ کوشش میں لگے

رہو:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(سورہ عنکبوت، آیت ٦٩)

جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کریں گے، مجاہدہ کریں گے، ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستوں پر لے چلیں گے ـــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلیں گے۔

تم آگے ایک دو قدم بڑھاؤ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ مثال بیان فرمائی کہ جب بچہ چلنا سیکھتا ہے تو ماں باپ اس بچے کو دور کھڑا کر دیتے ہیں، پھر بچے کو اپنے پاس بلاتے ہیں کہ بیٹا قریب آؤ، اب اگر وہ بچہ قریب آنے کے لئے قدم نہ بڑھائے تو باپ اس کو نہیں اٹھاتا، لیکن جب بچہ ایک دو قدم بڑھاتا ہے اور اس کے نتیجے میں گرنے لگتا ہے تو باپ اس کو گرنے نہیں دیتا، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو گود میں اٹھا لیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم قدم بڑھائیں۔ لہٰذا ایک قدم بڑھاؤ، دو قدم بڑھاؤ، تمہارے بس میں جتنے قدم بڑھانا ہے، اتنے قدم بڑھاؤ، اور جب تم گرنے لگو گے تو ہم گرنے نہیں دیں گے، بلکہ آگے بڑھ کر تمہیں پکڑ لیں گے، اور تمہیں گود میں اٹھا لیں گے۔

اصل فکر عمل کی ہونی چاہئے

اس لئے اس فکر میں مت پڑو کہ عبادت میں لذت نہیں آ رہی ہے، مزہ اور کیف اور سرور حاصل نہیں ہو رہا ہے، اگر یہ لذت اور کیف آ جائے تو اس کی عطا

ہے، ان کا کرم ہے، ایک اضافی نعمت تمہیں عطا فرمادی، اس پر شکر ادا کرو کہ دنیا ہی میں عبادت کی کیف اور لذت دیدی، ان کا کام ہے، لیکن اگر کبھی لذت نہ آئے تو نہ پریشان ہو، نہ شکوہ کرو، نہ مایوس ہو جاؤ، اس لئے کہ یہ سب کیفیات آنی جانی ہیں، ان کے پیچھے نہیں پڑنا، ان کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اصل فکر عمل کی ہونی چاہئے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور سنت کے مطابق ادا ہو جائے، چاہے کیف اور لذت کے ساتھ ہو، یا بے کیفی اور بے لذتی کے ساتھ ہو، لیکن عمل چھوڑے نہیں۔ عمل کا چھوٹ جانا عذاب اور مصیبت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے، آمین۔

لذت آنے سے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام نہیں ملیگا

دیکھئے، عبادت میں اور نماز میں لذت کا آنا مقرب ہونے کی علامت نہیں، اور لذت کا نہ آنا مردود ہونے کی علامت نہیں، اگر کسی کو نماز میں لذت آجائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام پر پہنچ گیا، بلکہ جب لذت آئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ صورت نہ ہو کہ:

صَلّٰی الْحَائِكُ رَكْعَتَيْنِ وَانْتَظَرَ الْوَحْیَ

کہ ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی تو اس کے بعد وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ چونکہ میں نے دو رکعت نماز پڑھی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اوپر وحی نازل ہونی چاہیے ـــــــ بہر حال! اگر لذت حاصل ہو جائے تو اس کی وجہ سے تکبر اور عجب میں مبتلا نہ ہو، بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اگر لذت نہیں آ رہی ہے تو یہ مت سمجھو کہ میں مردود ہو گیا، شیطان

ہوگیا ہوں، کیونکہ یہ کیفیات تو آنی جانی ہیں، کبھی آئیں، کبھی نہیں آئیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ عمل ہو، اور وہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اور استقامت کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

دل نہ لگنے کی شکایت فضول ہے

بہرحال! اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی کام کی بات فرما دی کہ سالکین کو جی نہ لگنے کی شکایت کرنا فضول ہے، کیونکہ تم کو تو صبر ہی کا امر ہے، حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ صبر کرو، عبادت میں دل نہیں لگ رہا ہے، پھر بھی صبر کرتے ہوئے عبادت کرتے رہو، اور ہر عمل کی حقیقت صبر ہی ہے، اور صبر میں جی نہ لگنا کیسا ہے؟ اس لئے کہ صبر تو اسی کا نام ہے کہ جو تکلیف ہو رہی ہے، اس کو برداشت کرو، بلکہ جی نہ لگنے کی صورت میں زیادہ خوش ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب زیادہ دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

❁❁❁

نیم جاں بستاند وصد جاں دھند
آ در و ہمت نیاید آن دھند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصیبت میں نورانیت

مجلس نمبر 100

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	100

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

mEmonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصیبت میں نورانیت

مجلس نمبر 100

الحمدلِلّٰہ ربّ العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد

اختیاری اور غیر اختیاری پریشانی

صبر کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے ملفوظات کا بیان چل رہا ہے۔ ایک اور ملفوظ میں حضرت والا رحمہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جس مصیبت کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ اس کی مدافعت پر بھی قادر نہ ہو، سو یہ واقعی مجاہدہ ہے، اور اب اس پریشانی سے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ بلکہ اس میں نورانیت ہوتی ہے، اور جو پریشانی اختیار سے لائی جاتی ہے، اس میں نور نہیں ہوتا، بلکہ ظلمت ہوتی ہے، جیسے کسی کا بچہ بیمار ہے، اور وہ اس کا علاج نہیں کرتا، اس میں پریشان ہے تو اس میں نور نہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ بچہ بیمار تھا، اس کا علاج کیا گیا اور علاج کے بعد وہ مر

گیا تو اس سے پریشانی نہ ہوگی، عارف کا ایسی مصیبت میں دل
شاد ہوتا ہے اور ظاہر میں مغموم۔'' (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۴)

مصیبت اور تکالیف کی دو قسمیں

فرمایا کہ بعض مصیبتیں اور تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے اندر نورانیت ہوتی ہے، تکلیف، صدمہ اور غم کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے نتیجے میں قلب کے اندر ایک نورانیت ہوتی ہے اور اس سے درجات بھی بلند ہوتے ہیں، اور ترقی بھی ہوتی ہے، اور بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نورانیت نہیں ہوتی۔ بلکہ ظلمت ہوتی ہے، اور اس ظلمت کے نتیجے میں کوئی روحانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ آدمی اور پیچھے چلا جاتا ہے۔ ان دونوں میں فرق کس طرح کریں؟ کب مصیبت کے نتیجے میں نورانیت پیدا ہوگی؟ اور کب نورانیت پیدا نہیں ہوگی؟ اس کا ایک اصول حضرت والا رحمہ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں بیان فرمایا ہے۔

غیر اختیاری میں نورانیت

وہ اصول یہ ہے کہ جو مصیبت یا تکلیف اپنے کسی اختیار کے بغیر آ گئی، اور اس کی مدافعت پر بھی انسان قادر نہیں، اگر اس پر صبر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے گا تو اس میں نورانیت پیدا ہوگی، اور اس سے دنیا کے اندر درجات میں ترقی ہوگی، اور آخرت کا ثواب بھی ملے گا، اور ایک مصیبت وہ ہے جو انسان خود اپنے اختیار سے لے کر آیا، اس مصیبت کو دفع کرنا اختیار میں تھا۔ لیکن اس مصیبت کو دفع نہیں کیا، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا، ایسی مصیبت میں نورانیت نہیں ہوگی، بلکہ اس میں ظلمت ہوگی۔

اختیاری مصیبت کی ایک مثال

اس کی مثال حضرت والا نے یہ دی کہ مثلاً ایک شخص کا بچہ بیمار ہو گیا، اب بچے کا علاج کرنا اختیار میں ہے کہ ڈاکٹر کے پاس جائے، اور جا کر اس کا حال بتائے، اور وہ جو دوا کہے وہ پلائے، اب اس شخص کے پاس دوا خریدنے کے لئے پیسے بھی تھے، ڈاکٹر کو ادا کرنے کے لئے بھی پیسے موجود تھے، لیکن وہ شخص سستی کے مارے بیٹھا رہا اور بچے کا علاج نہیں کیا، اب علاج نہ کرنے کے نتیجے میں اگر اس بچے کا مرض بڑھ گیا، یا وہ بچہ مر گیا تو یہ جو مصیبت آئی، صدمہ آیا، اس کا سبب اپنے اختیار میں تھا، لہٰذا وہ یہ مصیبت اپنے ہاتھ سے لایا۔ اس میں نورانیت نہیں ہوگی۔ بلکہ ظلمت ہوگی، کیونکہ یہ بھی مامور بہ ہے کہ مصیبت دور کرنے کے لئے جائز اسباب کو اختیار کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عالم اسباب بنائی ہے، لہٰذا اسباب کو ترک کرنا یہ کوئی بزرگی نہیں، بلکہ اسباب اختیار کرو اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یہ بزرگی کی بات ہے۔ لہٰذا اس شخص نے جب اس بچے کا علاج نہیں کیا، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا، لہٰذا اس مصیبت اور تکلیف پر جو نورانیت حاصل ہونی تھی، درجات میں جو ترقی ہونی تھی، وہ نہیں ہوگی۔ بلکہ ظلمت ہوگی، کیونکہ اپنے اختیار سے وہ مصیبت لے کر آیا ہے۔

ایسی تکلیف میں ظلمت ہوگی

اسی طرح اگر کوئی مصیبت غیر اختیاری طور پر آئی تھی، لیکن اس کو دفع کرنا اختیار میں تھا۔ لیکن اس کو دفع نہیں کیا تو اس مصیبت میں بھی ظلمت ہوگی، نورانیت نہیں ہوگی، مثلاً ایک شخص آپ کے اوپر حملہ آور ہو گیا، اور آپ کو جسمانی تکلیف

پہنچانے لگا، آپ کے اختیار میں تھا کہ آپ اس کی مدافعت کریں، آپ کے پاس جو اسباب ہوں ان کو استعمال کر کے اس کو دفع کرنے کی کوشش کریں، لیکن آپ نے کوئی مدافعت نہیں کی، اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، اس صورت میں جو صدمہ اور تکلیف آئے گی، وہ اختیاری ہوگی، ایسی تکلیف میں ظلمت ہوگی۔

اس مصیبت پر اجر و ثواب ملے گا

لہٰذا جب کوئی تکلیف یا صدمہ پیش آنے لگے، یا کوئی مصیبت پیش آنے لگے تو حتی الامکان انسان اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے، یہ نہ سوچے کہ مصیبت آنے پر بڑے فوائد ہیں۔ بڑے اجر و ثواب ملتے ہیں۔ لہٰذا یہ تکلیف آنے دو، نہیں، بلکہ جب تکلیف یا مصیبت آنے لگے تو اس کا مداوا کرو، اس کی مدافعت کرو، البتہ پوری کوشش کرنے کے باوجود اور اسباب مدافعت اختیار کرنے کے باوجود وہ مصیبت آ گئی، اب اگر اس پر صبر کرو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر اجر و ثواب مرتب ہوگا۔

مصیبت کا خیر مقدم کرنا خطرناک ہے

لیکن اگر انسان پر جب مصیبت آئے تو وہ اس کے دفع کی کوشش ہی نہ کرے، بلکہ اس مصیبت کا خیر مقدم کرے، اس کو اچھا سمجھے تو یہ دو لحاظ سے خطرناک بات ہے۔ ایک اس لحاظ سے خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن تم نے نہیں کیے، یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ دوسرے اس لحاظ سے خطرناک ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا دعویٰ ہے کہ ہم تو بڑے بہادر ہیں، یہ بڑا خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے

محفوظ رکھے آمین۔ ارے وہاں تو شکستگی اور درماندگی چاہئے، اپنی کمزوری کا اظہار چاہئے، یا اللہ میں کمزور ہوں، میں اس تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا، یا اللہ! اس تکلیف کو مجھ سے دور کردیجئے۔

سبق آموز واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک بزرگ تھے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہتے تھے، اس ذکر میں ان کو کیف محسوس ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ غلبہ حال میں ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ:

وَلَيْسَ لِیْ فِیْ سِوَاكَ حَظٌّ
فَكَيْفَ مَاشِئْتَ فَاخْتَبِرْنِیْ

یعنی اے اللہ! مجھے آپ کے سوا کسی چیز میں مزہ نہیں، جس طرح چاہیں آپ مجھے آزما کر دیکھ لیں۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کو آزمانے کی دعوت دیدی۔ بس اس کے بعد ان کا پیشاب بند ہوگیا۔ اب مثانہ پیشاب سے بھرا ہوا ہے، تکلیف ہورہی ہے، لیکن پیشاب خارج نہیں ہورہا ہے، علاج ہر طرح کا کرلیا، دوا لیلیں، لیکن پیشاب نہیں ہوتا۔ بالآخران کو تنبہ ہوا کہ میں نے کیسی غلط بات کہہ دی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو دعوت دیدی کہ آپ جس طرح چاہیں، مجھے آزمالیں، یہ میں نے کتنی غلط بات کہہ دی، چنانچہ اپنی غلطی سے توبہ کی، ان کے پاس چھوٹے بچے پڑھنے کے لئے آتے تھے، ان بچوں سے دعا کے لئے کہا کہ:

اُدْعُوْ لِعَمِّكُمُ الْكَذَّابِ

یعنی اپنے جھوٹے چچا کے لئے دعا کرو، اس لئے کہ میں نے یہ جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ مجھے کسی چیز میں حظّ اور مزہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی پکڑ بھی بڑی سخت ہوتی ہے، چنانچہ کئی دن اس حالت میں گزر گئے۔ دکھانا دراصل یہ تھا کہ تم تو کہہ رہے تھے کہ مجھے کسی چیز میں حظ نہیں، ارے تمہیں تو پیشاب اور پاخانہ میں حظ اور مزہ ہے۔

اللہ کے سامنے کمزوری کا مظاہرہ کرو، بہادری کا نہیں

لہٰذا یہ بات کہ مصیبت آ رہی ہے۔ لیکن اس مصیبت کو دفع نہیں کر رہے ہیں، اور مصیبت دفع کرنے کے جو ذرائع اور اسباب ہیں، ان ذرائع کو استعمال نہیں کرتے، یہ ایک طرح سے بہادری کا دعویٰ ہے کہ ہم بڑے بہادر ہیں۔ العیاذ باللہ۔ کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ، وہاں تو کمزوری اور شکستگی چاہئے، وہاں تو یہ کہنا چاہئے اے اللہ! ہمارے بس میں نہیں:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَتَ لَنَا بِهٖ

اے اللہ! ہم پر ایسا بوجھ مت ڈالئے گا، ہمارے اندر جس کے سہنے کی طاقت نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّ فِیْ رِضَاكَ ضُعْفِیْ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں تو کمزور ہوں، کون یہ دعا مانگ رہا ہے؟ جس سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں ہوسکتا، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اے اللہ میں کمزور ہوں، مجھے اپنے رضا کے کاموں میں تقویت عطا فرما۔ اے اللہ! میری کمزوری کو قوت سے تبدیل فرما دیجئے، اپنی کمزوری کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے فرما رہے ہیں۔

دشمن سے مقابلہ طلب مت کرو

ایک اور دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا

اے اللہ! ہم پر ایسے دشمن کو مسلط مت کیجئے، جو ہم پر رحم نہ کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعویٰ نہیں کر رہے ہیں کہ جیسا بھی دشمن آجائے، ہم مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، نہیں، بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم پر مسلط نہ فرمایئے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ:

لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمْ فَاثْبُتُوا

یعنی دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، ہاں جب دشمن سے مقابلہ پیش آجائے، تو پھر ثابت قدمی کا اظہار کرو۔ پہلے سے تمنا نہ کرو، مانگو نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، بلکہ اگر مصیبت آرہی ہو تو اس کو مسنون طریقے سے دفع کرنے کی کوشش کرو۔

مصیبت کو دور کرنے کیلئے اسباب اختیار کرو

بہر حال! نہ تو مصیبت کو دعوت دینی ہے، اور نہ ہی اس کی مدافعت پر قدرت ہونے کے باوجود مدافعت میں کوتاہی کرنی ہے، بلکہ جتنی مدافعت کرنا تمہارے بس میں ہو، اتنی مدافعت کرو، پھر جب سارے اسباب اختیار کرنے کے باوجود مدافعت اختیار کرنے کے باوجود، دعائیں کرنے کے باوجود

غیر اختیاری طور پر کوئی مصیبت آ گئی تو اب صبر کرو، کیونکہ اب جو صبر کرو گے تو اس صبر کی وجہ سے اس مصیبت میں نورانیت ہوگی، اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ تمہارے درجات دنیا و آخرت میں بلند فرمائیں گے، لیکن اگر اسباب اختیار نہ کیے، تو اس مصیبت میں ظلمت ہوگی، تاریکی ہوگی، نور نہیں ہوگا۔

مصیبت کے وقت رجوع الی اللہ کی توفیق

ایک اور بات جو حضرت والا نے بیان فرمائی ہے، وہ اگرچہ یہاں مذکور نہیں ہے، لیکن بہر محل ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات ''مصیبت'' انسان کی بدعملی کا نتیجہ اور عذاب ہوتا ہے، سزا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ عذاب اور سزا کے اندر نور نہیں ہوتا، اور جو مصیبت سزا نہیں ہوتی، اس کے اندر نور ہوتا ہے، پھر اس کے اوپر صبر کرنے سے اجر ملتا ہے، اب کون سی ''مصیبت'' عذاب اور سزا ہے؟ اور کونسی مصیبت عذاب اور سزا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درجات بلند کرنے کے لئے بھیجی ہے؟ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب بھی مصیبت اور تکلیف کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع میں اضافہ ہو جائے، مثلاً مصیبت آئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی توفیق ہو رہی ہے کہ یا اللہ! اس مصیبت کو دور فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مصیبت عذاب نہیں۔ بلکہ یہ مصیبت انشاء اللہ تمہارے درجات کی بلندی کے لئے آئی ہے، کیونکہ اگر یہ عذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہ ہوتی۔

مصیبت کے عذاب من اللہ ہونے کی علامت

اور وہ مصیبت اور تکلیف جس میں اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کم ہو جائے، اور آدمی اپنے فرائض و واجبات سے غافل ہو جائے، اور رجوع کے بجائے دل میں اللہ تعالیٰ سے شکوے اور شکایتیں پیدا ہونے لگے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مصیبت تمہاری کسی بدعملی کی سزا ہے، ایسی مصیبت میں آدمی غفلت سے نمازیں چھوڑ دے، اور معمولات کو ترک کردے اور عبادات چھوٹ گئیں، اور یہ عبادات اور نمازوں کا چھوٹنا اس وجہ سے نہیں ہوا کہ وقت نہیں ملا، بلکہ اس وجہ سے کہ مصیبت کے آنے کے بعد طبیعت میں ایک مایوسی اور بے حسی طاری ہوگئی، سستی طاری ہوگئی، نماز کے لئے وقت مل رہا ہے، لیکن نماز کے لئے نہیں جاتا، اور اللہ تعالیٰ کی کی طرف رجوع نہیں کرتا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ جو مصیبت آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب ہے۔

مصیبت کے وقت مجبوری کی وجہ سے معمولات کا ترک

بعض اوقات مصیبت کے وقت نمازیں ترک ہو جاتی ہیں، معمولات چھوٹ جاتے ہیں، اگر یہ چھوٹ جانا غفلت کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ مجبوری کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہیں کہ کیا کریں، مصیبت آگئی تھی، مثلاً دشمن کا مقابلہ تھا، اب اگر وہاں سے اٹھ کر نماز کے لئے جاتے تو جان چلی جاتی، یہ مجبوری پیش آگئی، اس مجبوری کی وجہ سے چھوٹنے میں کوئی نقصان نہیں، نہ اس سے نورانیت میں کمی آتی ہے، نہ اس سے مصیبت کے عذاب ہونے کا تأثر ملتا ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی نمازیں دشمن کے مقابلے کے دوران قضا

ہوئیں۔ یا مثلاً بیمار ہوئے، اور بیماری کی وجہ سے آپریشن ہوا، اور اب آپ آپریشن تھیٹر میں بے ہوش پڑے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے نمازیں چھوٹ گئیں، تو اس کی وجہ سے نورانیت میں کمی نہیں آئے گی، اس لئے کہ مجبوری کی وجہ سے جو فرائض اور معمولات چھوٹ جائیں، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کا یہاں ذکر نہیں ہو رہا ہے۔

بے حسی اور غفلت کی وجہ سے نماز کا ترک

یہاں ان نمازوں اور معمولات کا ذکر ہو رہا ہے جو کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں چھوٹیں، بلکہ اس وجہ سے چھوٹیں کہ مصیبت کے آنے کے بعد طبیعت پر ایک بے حسی اور غفلت طاری ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ سرد پڑ گیا، جس کی وجہ سے نماز کا وقت اور موقع ہونے کے باوجود نماز پڑھنے نہیں گیا، بلکہ پڑا رہا، جب غم اور صدمہ کا عالم ہوتا ہے تو بعض اوقات یہ کیفیت آجاتی ہے کہ آدمی اچھا خاصا صحت مند ہے، لیکن نماز کے لئے نہیں جا رہا ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مصیبت عذاب اور سزا ہے۔

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

اور جب اس مصیبت کے عذاب ہونے کا احساس ہو جائے تو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ دل چاہے، یا نہ چاہے، دل پر آرے چل رہے ہوں۔ لیکن نماز کی طرف اور عبادات کی طرف اور معمولات کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کرنا شروع کر دے، لہٰذا مصیبت، غم اور صدمہ کے موقع پر اپنا جائزہ لے کر دیکھو، اگر یہ محسوس ہو کہ عبادات سے غفلت ہو رہی ہے اور اللہ

تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہو رہا ہے، اور اس سے یہ خطرہ محسوس ہو کہ کہیں میرے لئے یہ عذاب نہ ہو تو فوراً اس کا علاج کرو، اور وہ فوری علاج بھی یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع شروع کر دو، اور جو معمولات چھوٹ رہے ہیں، ان کی ادائیگی شروع کر دو، چاہے صدمہ ہو، چاہے تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، نمازیں پڑھنا شروع کر دو۔ جب یہ عمل کرو گے تو انشاء اللہ اس مصیبت کے عذاب اور سزا ہونے کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔ وہ مصیبت تمہارے لئے باعث اجر و ثواب بن جائے گی۔

ساری عمر تراش خراش چلتی رہیگی

بس اس راستے یہی تراش و خراش چلتی رہتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

یعنی تصوف و سلوک کی راہ میں تراش خراش چلتی رہتی ہے، یہ مت سمجھنا کہ کسی وقت تم کامل اور مکمل ہو جاؤ گے تو اس وقت کسی اضافے اور ترمیم کی ضرورت نہیں ہوگی، ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ساری عمر یہ تراش و خراش چلتی رہے گی، یہ تو جنم روگ ہے، لہٰذا آخری سانس تک ایک لمحے کے لئے بھی فارغ ہو کر مت بیٹھنا، لہٰذا اپنے حالات میں ہر وقت غور کرتے رہو کہ جب مصیبت آتی ہے تو میں کیا کرتا ہوں، جب خوشی آتی ہے، تو اس وقت کیا کرتا ہوں۔

مصیبت کے وقت دل شاد ہوگا

جب تمہیں یہ بات حاصل ہوگئی، یعنی مصیبت میں نورانیت پیدا ہوگئی، کیوں پیدا ہوئی؟ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے نتیجے میں نورانیت پیدا ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر جو اجر رکھا ہے، اس اجر و ثواب کے تصور سے نورانیت پیدا ہوگئی، ایسی صورت کے بارے میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ ''عارف ایسی مصیبت کے وقت دل میں شاد ہوتا ہے اور ظاہر میں مغموم'' یعنی ظاہری اعتبار سے تو اس مصیبت پر صدمہ ہو رہا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آہیں نکل رہی ہے، لیکن عقلاً اس بات پر مطمئن ہے کہ فیصلہ انہی کا برحق ہے، مشیت انہی کی ہے، حکمت انہی کی ہے، مصلحت انہی کی ہے، وہ جو فیصلہ کریں گے، میرا فائدہ اسی میں ہے، میں کیا، میری عقل و فہم کیا، جب یہ سمجھ لے گا تو پھر چاہے آنسو بہہ رہے ہوں، چاہے دل میں کچھ ہو رہا ہو، لیکن جب ان کے فیصلے پر راضی ہوگا تو دل شاد ہوگا۔

اللہ کی مشیت کو سوچنے سے صدمہ ختم ہوجائیگا

دیکھئے: ایک صدمہ وہ ہوتا ہے کہ آدمی کو تکلیف تو پہنچی، مثلاً جان ضائع ہوئی تو صدمہ اور تکلیف پہنچنی چاہئے تھی، یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں، یا مثلاً آپ ڈاکٹر کے پاس گئے، اس نے انجکشن لگایا، اس کے نتیجے سوئی چبھی، تکلیف ہوئی، لیکن یہ تکلیف ہونی ہی تھی، یا کوئی زخم تھا، مرہم پٹی کرانے گئے تو اس سے تکلیف ہوگی، لیکن ساتھ میں دل مطمئن ہے کہ یہ تکلیف تو ہونی تھی، اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ ایک وہ تکلیف ہے کہ کسی شخص نے آکر خنجر مار دیا، اور ناحق مارا،

ناانصافی سے مارا، اس کی تکلیف زیادہ ہوگی، کیونکہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے ماردیا۔ جب کہ کوئی قصور نہیں تھا۔ اور صدمہ بھی ہوگا۔ لیکن جب یہ سوچے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے، اس کے حکم سے اس کے فیصلے سے ہو رہا ہے، اس لئے یہ عمل ہونا ہی تھا، کیونکہ ان کی مشیت اور ان کا فیصلہ تھا۔ چاہے ہماری سمجھ میں آرہی ہو، یا نہ آرہی ہو۔ اس سوچ کے نتیجے میں یہ دوسری قسم بھی پہلی قسم کی طرح ہو جائے گی۔ جیسے کسی ڈاکٹر کے پاس گئے، اور اس نے انجکشن لگایا اور اس سے تکلیف ہوئی، کیونکہ دل مطمئن ہے۔ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عارف کا ایسی مصیبت میں دل شاد ہوتا ہے ''شاد'' ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مطمئن ہے کہ یہ کام ہونا ہی تھا۔ البتہ ظاہر میں عارف مغموم ہوتا ہے۔

یہ مصیبت تجارت میں داخل ہے

ایک اور ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''یہ واقعاتِ مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دے دی جاتی ہے اور تجارت بھی ایسی کہ:

نیم جان بستاند و صدجاں دھند
آنچہ در وہمت نیاید آں دھند

علاوہ اس کے مصیبت حالاً تو مصیبت ہے، مگر مآلاً نعمت ہے، کیونکہ اس سے منافع ومصالح دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتی ہیں، ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ''برسوں کے مجاہدات سے باطن کو

وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے، خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے۔ جو امور باطنہ میں سب سے افضل ہے۔‘‘ (انفاس عیسیٰ، ص ۲۱۵)

راحت لیکر اجر وثواب اور جنت دیتے ہیں

دیکھئے: تجارت میں یہ ہوتا ہے کہ دوکاندار نے ہم سے پیسے لئے، اور ہمیں اپنی مطلوبہ چیز دیدی، اسی طرح اللہ تعالیٰ مصائب کے موقع پر ایک چیز لیتے ہیں، اور دوسری چیز اس کے بدلے میں دیتے ہیں، لیتے کیا ہیں؟ مثلاً راحت کہ وہ راحت تکلیف میں بدل گئی، یا خوشی تھی، غم میں بدل گئی اور وہ راحت بھی عارضی طور پر لیتے ہیں، ہمیشہ کے لئے نہیں لیتے، اگر ہمیشہ کے لئے راحت لیلیں تو پھر تو ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے، بہرحال! ہم سے خوشی اور راحت لی، اور اس کے بدلے ہمیں نعمتیں دیں، جنت کی، آخرت کی نعمتیں دیں، ہمیں اجر عطا فرمایا اور دنیا میں بھی درجات بلند کئے، یہ سب تجارت میں داخل ہے۔ کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دی جاتی ہے۔

آدھی جان لے کر سو جانیں دیتے ہیں

یہ تجارت بھی ایسی ہے جس کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

نیم جاں بستاند وصد جاں دھند
آنچہ در و ہمت نیاید آن دھند

یعنی وہ آدھی جان لیتے ہیں اور اس کے عوض سو جانیں دیتے ہیں، ان کی

رحمت کو دیکھئے کہ وہ تھوڑی سی چیز لیتے ہیں اور دیتے بہت زیادہ ہیں، تھوڑی سی راحت اور وہ بھی عارضی طور پر لیتے ہیں، ہمیشہ کے لئے نہیں لیتے، اور اس کے عوض جو نعمتیں دیتے ہیں، وہ ابدی دیتے ہیں، اور نہ ختم ہونے والی نعمتیں دیتے ہیں، اور وہ چیزیں دیتے ہیں جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں آتیں۔

حالاً مصیبت مآلاً نعمت

آگے حضرت نے وہی بات ارشاد فرمائی ہے جو میں نے پہلے عرض کی تھی کہ ''علاوہ اس کے مصیبت حالاً تو مصیبت ہے، مگر مآلاً نعمت ہے، کیونکہ اس سے منافع دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں، ایک بزرگ کا ارشاد ہے'' یہ وہی بات ہے جو میں نے آپ کو پہلے سنائی تھی، اب وہ بات ان بزرگ کے لفظوں میں آگئی کہ: ''برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا، جو ایک ساعت کے ''حزن'' سے ہو جاتا ہے''۔ یعنی برسوں تک کسی خانقاہ میں جاکر مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہو، اس سے اتنا فائدہ نہیں ہوگا، جتنا ایک ساعت کے غم سے ہو جاتا ہے، اور وہ غم بھی غیر اختیاری ہو، آگے فرمایا ''اور خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے، جو امور باطنہ میں سب سے افضل چیز ہے''۔

وہ نعمت بتاؤ جسکے مانگنے کی اجازت نہیں

یہ ایک ''معمہ'' ہے کہ ایسی نعمت بتاؤ جس کو مانگنے کی اجازت نہیں، یہ غم اور حزن اور مصیبت کی نعمت ہے کہ اس نعمت کے مانگنے کی بھی اجازت نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، مصیبت مت مانگو، بلکہ یہ نعمت آنے والی ہو تو اس کو دفع کرنے کی کوشش بھی کرو، اور اگر دفع نہیں کرو گے تو بھی تمہاری پکڑ

ہو جائے گی، دفع کرنا بھی اپنی حد تک ضروری ہے، اس کے دفع کرنے اور ٹلانے کے اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ پکڑ ہو جائے گی، لیکن جب آ جائے تو یہ تمہارے لئے نعمت ہے اور رحمت ہے اور دنیا میں بھی رحمت ہے اور آخرت میں بھی رحمت ہے، دنیا میں اس کی وجہ سے درجات کی ترقی ہو رہی ہے، باطن کی ترقی ہو رہی ہے۔ باطن میں فضائل حاصل ہو رہے ہیں۔ اور رزائل فنا ہو رہے ہیں اور آخرت میں درجات بلند ہو رہے ہیں۔ ثواب کا ذخیرہ جمع ہو رہا ہے۔

اس نعمت کے دور کرنے کی کوشش کرو

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ اس نعمت کو مانگنے کی اجازت نہیں، اور جب یہ نعمت مل جائے تو اس کو دور کرنے کی پوری کوشش کرو۔ لیکن وہ ہے نعمت اور رحمت۔ بات دراصل یہ ہے کہ دراصل یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک ایسا عنوان ہے، ایک ایسا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو نوازنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس کی ناگواری کو اس کی تکلیف کو بھی اس کے واسطے جنت کا ذریعہ بنا دوں، اس وجہ سے یہ مصائب اور تکالیف آتی ہیں، اس لئے ان تکالیف پر صبر کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

❁❁❁
❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعمتوں پر شکر ادا کریں

مجلس نمبر 101

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی۔
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	101

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰھِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَابَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰھِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعمتوں پر شکر ادا کریں

مجلس نمبر 101

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والصلاۃ والسلام علی
رسولہ الکریم، وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین۔ امابعد:

تمہید

پچھلے چندروز سے ''صبر'' کا بیان چل رہا تھا، الحمدللہ بقدرِ ضرورت ہوگیا، اب آگے اس کتاب ''انفاس عیسیٰ'' میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ ارشادات ''شکر'' کے بارے میں منقول ہیں، جیسا کہ ''خوف'' اور ''رجا'' کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ سالک کے دو پر ہیں، جس کے ذریعہ وہ جنت کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اسی طرح ''صبر اور شکر'' یہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ایک مؤمن کے لئے اس کی زندگی کے ایک ایک لمحے کو باعثِ اجر وثواب بنادیتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لمحے لمحے پر اس کو ثواب کی امید ہو جاتی ہے، کیونکہ صبر اس وقت مشروع ہے، جب طبیعت کے خلاف کوئی کام پیش آئے، چاہے وہ کام چھوٹا ہو، یا

بڑا ہو، اس پر جب آدمی صبر کرے گا تو ایک صبر پر تین ثواب حاصل ہونگے، جس کی تفصیل میں نے پچھلے بیانات میں عرض کر دی اور اگر طبیعت کے موافق کوئی کام پیش آیا، یا حالات خوشی کے ہیں تو اس پر ''شکر'' کی عبادت انجام دینی ہے۔

ہوا چلنے پر شکر ادا کرو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایسی عبادت ہے کہ دل ہی دل میں تم نے یہ عبادت انجام دے لی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا کرلیا، مثلاً آپ کو گرمی لگ رہی تھی۔ اس وقت ہوا کا جھونکا چل گیا، جس سے جسم نہال ہوگیا، گرمی کا احساس جاتا رہا۔ گرمی کی شدت میں کمی آگئی، اس وقت تمہارے جسم کے روئیں روئیں نے اس ہوا سے فائدہ اٹھایا، اس لئے تمہارے روئیں روئیں سے شکر نکلا، اور تم نے کہا **اَللّٰھُمَّ لک الحمد و لک الشکر،** اور دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یا اللہ! آپ نے کیسی نعمت عطا فرمائی کہ ہوا چلا دی، اگر ہوا نہ چلتی تو میں گرمی کی تکلیف میں مبتلا رہتا، آپ نے یہ نعمت عطا فرمائی۔ اے اللہ آپ کا شکر ہے، آپ کا فضل ہے، آپ کا کرم ہے، اب یہ ایسی عبادت انجام پاگئی کہ کسی کو کان وکان خبر بھی نہ ہوئی، اگر تم نماز پڑھتے تو دیکھنے والے دیکھ لیتے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، اس نماز کی عبادت میں دکھاوے کا اور نام ونمود کا شائبہ ہوسکتا تھا، لیکن شکر کی عبادت میں نام ونمود کا کوئی شائبہ نہیں، دل ہی دل میں یہ عبادت انجام دی جارہی ہے۔

میان عاشق و معشوق رمز یست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

شکر کی حقیقت

پہلے تو اس ''شکر'' کی حقیقت سمجھنی چاہئے کہ شکر کیا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''شکر کی حقیقت یہ ہے کہ جو حالت طبیعت کے موافق ہو، خواہ اختیاری ہو، یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا، اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا، اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا، اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا شکر ہے۔''

(انفاس عیسیٰ، ص ۲۱۶)

اس تعریف سے پتہ چلا کہ شکر بہت ساری باتوں کا مجموعہ ہے، سب سے پہلے تو یہ کہ طبیعت کے موافق کوئی حالت یا واقعہ پیش آیا، خواہ اپنے اختیار سے آیا ہو، یا غیر اختیاری آیا ہو، مثلاً ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا، اور دل خوش ہوا، اور جسم ٹھنڈا ہوگیا، یہ غیر اختیاری نعمت تھی، یا بعض مرتبہ اختیاری طور پر نعمت حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً آپ نے اپنے اختیار سے کہیں ملازمت کی، اور اس کے نتیجے میں آپ کو تنخواہ ملی، یا اپنے اختیار سے تجارت کی، اور اس تجارت کے نتیجے میں منافع حاصل ہوا، یہ بھی نعمت ہے، تو یہ دونوں نعمتیں واجب الشکر ہیں، غیر اختیاری نعمت پر تو شکر واجب ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ اس میں بندے کا کوئی دخل ہی نہیں، محض اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم ہی کرم ہے کہ اس نے یہ گرمی دور کر دی، اور ٹھنڈک عطا فرمادی، یا بارش نہیں ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج دی۔ یہ سب غیر اختیاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بالکل واضح ہے۔

یہ قارونی فکر اور سوچ ہے

البتہ جو اعمال اختیاری ہیں، ان کے بارے میں انسان کے دماغ میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس میں شکر ادا کرنے کی کیا بات ہے، کیونکہ میں نے خود مہینہ بھر محنت کی، اس کے نتیجے میں مجھے تنخواہ ملی، یا دکان کھولی اور اس کے کھولنے میں پیسے خرچ کئے، دن رات ایک کئے، محنت کی، دکان پر بیٹھا، سرمایہ لگایا، اس کے بعد مجھے اس دکان سے منافع حاصل ہوا، لہٰذا یہ تو میری قوت بازو کا کرشمہ ہے، جیسے قارون نے کہا تھا کہ مجھے یہ جو دولت ملی ہے، یہ میرے علم کی بنیاد پر ملی ہے۔ یہ شبہ دماغ میں آ جاتا ہے۔

مؤمن اور کافر کی سوچ میں فرق

یہی فرق ہے، ایک مؤمن اور کافر میں، کافر اور غیر صاحب ایمان یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ میری محنت اور میری قوت بازو، میرے عمل کا نتیجہ ہے، لیکن ایک صاحب ایمان اور اللہ کا بندہ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، جو کافر نہیں جانتا، میرا کام اس سارے عمل میں بس اتنا تھا کہ میں نے موانع دور کر دیئے، اور کچھ اسباب جمع کر دیئے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنا، اور ان اسباب کو نافع بنانا، یہ میرے بس میں نہیں تھا، میرا کام بس اتنا تھا کہ دکان کھول کر بیٹھ جاؤں، گاہک بھیجنا کسی اور ہی کا کام ہے، اگر وہ گاہک نہ بھیجتا تو میں صبح سے لے کر شام تک دکان پر بیٹھا رہتا اور مکھیاں مارا کرتا، اس لئے کہ کوئی گاہک نہیں آتا، تم کیا کر لیتے، یہ کون ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے؟ وہ کون ہے جو گاہک کے دل میں یہ خیال ڈال رہا ہے کہ جا کر فلاں دکان سے مال خریدو، وہ

کون ہے جو گاہک کے دل میں یہ خیال ڈال رہا ہے کہ جو قیمت تم بتا رہے ہو، اس قیمت پر خریدلو، ورنہ وہ بھی کہہ سکتا تھا کہ مجھے اس قیمت پر نہیں چاہئے، لہٰذا انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرلے، البتہ ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنا اللہ جل شانہ کا کام ہے۔

اختیاری نعمتوں پر بھی شکر واجب ہے

لہٰذا جن نعمتوں کو ''اختیاری'' نعمتیں کہا جا رہا ہے، وہ بھی حقیقت میں اختیاری نہیں، بلکہ وہ بھی کسی اور ذات کی تاثیر کے نتیجے میں پیدا ہو رہی ہیں، مثلاً ڈگریاں تم نے بہت حاصل کرلیں، ایم اے کرلیا، پی ایچ ڈی کرلیا، ڈاکٹر بن گئے، لیکن ڈگریاں اٹھا کر اور درخواست لے کر پھر رہے ہو کہ کہیں ملازمت مل جائے، لیکن نہیں ملتی، کتنے لوگ ایسے ہیں جو بہترین ڈگریوں کے حامل ہیں، لیکن ملازمت نہیں ملتی، اور جب وہ چاہتے ہیں تو گھر میں پیغام آ جاتا ہے کہ آپ کی ضرورت ہے، آپ آ جایئے، اس سے پتہ چلا کہ اسباب کو اختیار کرنا تو انسان کے بس میں ہے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنا تو کسی اور ہی کا کام ہے، انسان کے بس میں نہیں، لہٰذا جو چیزیں تمہیں اختیاری نظر آ رہی ہیں، وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے شکر کو واجب کرنے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چیزیں عطا فرمائیں۔

یہ اعضاء و جوارح، عقل، سمجھ کس نے دی ہے؟

اور جو تمہارا اپنا عمل ہے جس پر تم اترا رہے ہو کہ میں نے پیسے جمع کئے، میں نے دکان کھولی، میں نے تعلیم حاصل کی، اور میں نے ڈگریاں حاصل کیں، میں نے ملازمت حاصل کرلی، تو یہ سوچو کہ تمہارے اعضا و جوارح کے اندر یہ

طاقت کہاں سے آ گئی؟ یہ سمجھ تم کو کس نے دی؟ یہ دماغ یہ عقل تم کو کس نے دی؟ یہ ہاتھ پاؤں کس نے دیئے؟ ہاتھ پاؤں میں چلنے کی طاقت کس نے دی؟ اور ان کے ذریعہ کام کرنے کی قوت کس نے دی؟ یہ سب کچھ انہی کی عطا ہے، تمہاری کیا چیز ہے؟ اس لئے جو اختیاری نعمتیں ہیں، وہ بھی واجب الشکر ہیں۔ ان کے اوپر بھی شکر ادا کرنا ہے۔

نعمت ملنے پر خوشی کا اظہار ہونا چاہئے

حضرت والا فرماتے ہیں کہ ''اس حالت کو دل سے یہ سمجھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے'' ان باتوں کا تصور کر کے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے عرض کیں، ان کو دیکھ کر بظاہر یہ نعمتیں اختیاری لگ رہی ہیں، لیکن حقیقت میں اگر غور کرو تو انسان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ اگر توفیق نہ دے تو انسان کے بس کا کام نہیں، انسان دنیا کے اندر کوئی کام نہیں کرسکتا، ان باتوں کا تصور کر کے ان چیزوں کو دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور کہنا کہ یا اللہ، یہ آپ کا کام ہے کہ آپ نے یہ نعمت عطا فرمادی، ورنہ میرے بس میں یہ کام نہیں تھا۔ دل میں یہ تصور جمانا چاہئے، اور اس نعمت پر خوش ہونا چاہئے، جب کوئی نعمت ملے تو اس پر خوشی کا اظہار کرنا اور فرحت کا اظہار کرنا، یہ اس نعمت پر شکر کرنے کا حصہ ہے، ایسا نہ ہو کہ جب نعمت ملی تو اس نعمت کے ملنے سے پہلے جو حالت تھی وہی حالت تمہاری اب بھی ہے، نعمت ملنے سے پہلے جیسے منہ بنائے بیٹھے تھے، نعمت ملنے کے بعد بھی ویسے ہی منہ بنائے رہے، اس نعمت کا کوئی اثر آپ کے چہرے پر ظاہر نہیں ہوا، حالانکہ نعمت کا اثر آپ کے چہرے سے ظاہر ہونا چاہئے، خوش ہونا چاہئے، کیونکہ یہ خوشی اس نعمت کا حق بھی ہے اور اس منعم کا حق بھی ہے، نعمت دینے والے کا حق ہے، آپ

اگر یہ کہیں کہ آپ مجھے کوئی نعمت دیتے رہیں، میں تو ویسے ہی رنجیدہ اور پریشان اور مغموم بیٹھا رہوں گا، اور چہرے سے ذرا بھی نعمت ملنے کا اظہار نہ کروں گا اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی ہے، لہٰذا تمہارے کردار، تمہاری رفتار، تمہاری گفتار پر اس نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔

نعمت کا اثر جسم پر ہونا چاہئے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُریٰ اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے کو جو نعمت دی ہے، اس کے آثار اس بندے پر نظر آئیں، اس کی تفصیل میں علماء کرام نے فرمایا کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے اور کھاتا پیتا انسان ہے، لیکن وہ شخص فقیروں کی طرح رہتا ہے، دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی فقیر ہے، اور اس کو پیسے دینے کو دل چاہے، یہ صورت حال نعمت کی ناشکری میں داخل ہے، کیونکہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس کے آثار تمہارے اوپر ظاہر ہونے چاہئیں، اور ان آثار کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس نعمت کے ملنے پر خوش ہو کر کہے کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا فرمادی۔

عید الفطر کے موقع پر بشاشت کا اظہار

اسی وجہ سے علماء کرام نے فرمایا کہ عید الفطر کے آداب میں سے ہے کہ اس موقع پر بشاشت کا اظہار آپ کے چہرے مہرے سے، آپ کے انداز و ادا سے،

آپ کی رفتار و گفتار سے معلوم ہو کہ آپ خوش ہیں، اس لئے جب دوسرے سے ملے تو بشاشت کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اور یہ چیز عیدالفطر کے آداب کے اندر داخل ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ عیدالفطر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس نعمت پر خوشی کا اظہار بھی نعمت پر شکر کا ایک حصہ ہے۔

کسی غریب کو ایک لاکھ روپے مل جانے پر خوشی

آپ ذرا تصور کریں کہ کوئی آپ کا چھوٹا یا ماتحت ہے۔ ضرورت مند ہے، کھانے کو مشکل سے ملتا ہے، فاقے ہو رہے ہیں، آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا، اور اس کو ایک لاکھ روپے دیدیئے، اتنی بڑی رقم شاید اس کے لئے ایک سال یا دو سال کے لئے کافی ہو جائیں۔ اب اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی بڑی رقم مجھے مل جائے گی۔ لیکن وہ شخص جیسا رنجیدہ شکل میں آپ کے پاس آیا تھا، ویسا ہی رنجیدہ شکل میں واپس چلا گیا، اس کے چہرے پر خوشی کا کوئی تأثر پیدا نہیں ہوا، اب ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ کیسا بے حس آدمی ہے کہ ایسے فاقہ کی حالت میں اس کو ایک لاکھ روپے مل گئے، مگر اس کی پیشانی کے بل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس سے یہی معلوم ہوگا یہ بالکل بے حس آدمی ہے۔

ایسے ہی وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ کی نعمتیں پہنچ رہی ہیں۔ پھر بھی اس کے ماتھے کے بل پر فرق نہیں آتا، پھر بھی اس کے چہرے پر بشاشت ظاہر نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کے دل میں خوشی پیدا نہیں ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے، اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمت ملنے پر خوش ہونا بھی شکر کا ایک حصہ ہے۔

اللہ والے ہمیشہ خوش وخرم دکھائی دیتے ہیں

چنانچہ آپ حضرات نے ہمارے بزرگوں کو دیکھا ہوگا کہ ہر وقت ایک خوشی کی حالت میں رہتے تھے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہم جب جاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ہر وقت ایک نشاط کا عالم ہے، خوشی کا عالم ہے، ایسا کیوں؟ اس واسطے کہ ہر وقت ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار رہتا تھا۔ جب نعمتوں کا استحضار ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ خوشی کا اظہار ہو۔

ہر نعمت کو اپنی لیاقت سے زیادہ تصور کرنا چاہئے

بہر حال! یہ خوش ہونا بڑی کانٹے کی بات ہے، لیکن یہ خوش ہونا بھی یہ سوچ کر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ نعمت دیدی، چنانچہ اگلے جملے میں حضرت والا نے فرمایا کہ ''خوش ہونا اور اس نعمت کو اپنی لیاقت سے زیادہ سمجھنا'' یعنی یہ سمجھنا کہ یا اللہ! یہ نعمت تو آپ نے مجھے دیدی، لیکن میں تو اس لائق تھا نہیں، میں اس قابل کہاں تھا؟ نہ میرے اندر یہ صلاحیت تھی۔ نہ میرا کوئی قرضہ آپ کے اوپر آتا تھا۔ نہ میرا کوئی حق آپ پر واجب تھا کہ آپ مجھے یہ نعمت عطا فرماتے، آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادی، میں اس لائق نہ تھا۔ یہ بات شکر کا لازمی رکن اعظم ہے، وہ یہ کہ جو نعمت ملی ہوئی ہے، اس کو یہ سمجھنا کہ میں تو اس نعمت کا مستحق نہیں تھا۔ آپ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی۔ تو یہ شکر عجب اور تکبر کی جڑیں کاٹتا رہے گا، جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جو کھانا اللہ تعالیٰ مجھے دے رہے ہیں۔ میں تو اس قابل نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے اتنا اچھا کھانا عطا فرمایا۔ کیا ایسے شخص کو کبھی کھانا ملنے پر تکبر ہوگا؟ کبھی نہیں ہوگا، کپڑ

عالیشان پہنا ہوا ہے، لیکن دل میں یہ اعتراف موجود ہے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمادیا۔ یہ ان کی عطا ہے، وہ جب چاہیں واپس لے لیں۔ اس اعتراف کے نتیجے میں تکبر کی جڑ کٹ جائے گی۔

نعمتوں پر اترانا اچھی بات نہیں

یہی فرق ہے ایک اس شخص کے خوش ہونے میں جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہو، اور جس کا تزکیہ نفس ہو چکا ہو اور دوسرا وہ شخص جو رزائل اور گناہوں کے اندر مبتلا ہے، اس کو نعمت ملنے پر خوش ہونے میں، کیونکہ جو شخص گناہوں کے اندر مبتلا ہے، وہ بھی نعمتوں پر خوش ہوتا ہے، لیکن وہ خوشی کے ساتھ اتراتا ہے کہ میری قوت بازو کا کرشمہ دیکھو کہ مجھے یہ نعمت ملی، اور میں اتنا بڑا دولت مند ہو گیا، میری دنیا میں اتنی شہرت ہو گئی، اتنے لوگ میرے معتقد ہو گئے، اور وہ نہیں سوچتا کہ میں اس لائق نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے یہ نعمتیں عطا فرمادیں، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ میرے اندر ایسی صلاحیت اور لیاقت ہے، اس کی وجہ سے میں اتنا اونچا پہنچ گیا، اور اس پر وہ خوش ہو رہا ہے۔

قارون کی طرح نعمت کو اپنی محنت کا نتیجہ تصور کرنا

جیسا کہ قارون نے کہا تھا کہ:

اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ

میں کیوں شکر ادا کروں، میں نے جو سارا خزانہ جمع کیا ہے، یہ اپنے علم کے نتیجے میں جمع کیا ہے۔ وہ قارون بھی اس نعمت پر خوش ہو رہا تھا، لیکن اس کو کہا گیا کہ:

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ

یعنی ایسی خوشی کا اظہار مت کرو، اس لئے کہ یہ حقیقت میں خوشی نہیں، بلکہ ''اتراہٹ'' ہے۔ اتراہٹ سے مقصد یہ ہے کہ میں خود اس قابل تھا کہ مجھے یہ دولت ملے، اس لئے مجھے یہ دولت مل گئی، لہٰذا اس دولت پر شکر ادا کرنے کے بجائے فخر کرتا پھر رہا ہے اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھ رہا ہے، اور اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے۔ بہر حال! خوش ہونے میں فرق ہے، دونوں کو خوش ہونا کہا جائے گا، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک خوش ہونا عبادت ہے۔ دوسرا خوش ہونا معصیت اور گناہ ہے۔ اگر اپنی لیاقت اور صلاحیت کی بنیاد پر خوش ہو رہا ہے تو معصیت ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل، اس کی نعمت ملنے پر خوش ہو رہا ہے تو یہ عبادت ہے۔

ہر نعمت پر شکر کی عادت ڈالو

اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شکر کی عبادت بڑی عجیب چیز ہے، اس لئے ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اور ہر نعمت پر انسان کہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتا ہے، یہ اس کے بس میں نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر لمحے بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، لیکن انسان عادت ڈالے کہ وہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتا رہے تو یہ ایسی چیز ہے کہ انسان کو بہت سی باطنی بیماریوں سے بچانے والی ہے، چنانچہ اس شکر سے تکبر کی جڑ کٹتی ہے۔

اللہ کا شکر شیطان کے داؤ سے بچاتا ہے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑے نکتے کی بات بیان فرمائی کہ شیطان کو جب راندہ درگاہ کیا گیا تو اس نے اپنا باقاعدہ پورا پلان اللہ میاں کو بتادیا کہ آپ نے تو مجھے نکال دیا، اب میرا پلان یہ ہے کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے یہ دن دیکھنا پڑا، میں اس کی اولاد کو چھوڑوں گا نہیں۔ میں اس کے داہنی طرف سے آؤں گا، بائیں طرف سے آؤں گا، آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، چاروں طرف سے اس پر حملہ آور ہوں گا، اور اس کے بعد آخر میں یہ جملہ کہا کہ:

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَ هُمْ شَاكِرِيْنَ (القران)

کہ آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر کرنے والا نہیں پائیں گے، یعنی میں ایسا داؤ چلاؤنگا کہ ان کو شکر سے محروم کردوں گا، اور شکر سے محروم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ میرے جال میں آسانی سے پھنس جائیں گے، اور میرا داؤ ان پر آسانی سے چلے گا، اس سے پتہ چلا کہ شیطان کے داؤ سے بچنے کا بہترین طریقہ شکر کی کثرت ہے، اس لئے خوب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرو، تم جتنا شکر ادا کروگے، اتنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ شیطان کے حملوں سے محفوظ رہوگے۔

زبان سے شکر کا طریقہ

آگے فرمایا کہ: ''زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا'' اور یہ کہنا ''الحمد للہ''

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

یعنی ایک طرف تو اس نعمت پر دل سے خوش ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کیا، اور اپنی نالائقی کا اعتراف کیا، اور پھر زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اور کہا:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

رات سونے سے پہلے یہ عمل کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ علیہ اپنے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے، کہ میں رات کو ان کو دیکھتا کہ جب وہ اپنے بستر پر لیٹنے کے لئے جاتے تو سونے سے پہلے عجیب والہانہ انداز میں پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

بار بار پڑھتے، اور مسلسل بے تحاشہ ۵۔۷ منٹ تک اسی کی رٹ لگاتے، ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت، یہ رات کو سونے سے پہلے آپ یہ بار بار کیوں پڑھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں زندگی گزر رہی ہے، اور جو نعمت حاصل ہوتی ہے اس وقت پر اس پر شکر ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں جاتا، اور انسان کے بس میں بھی نہیں ہے، وہ کہاں تک ان نعمتوں پر شکر ادا کرے گا، اس لئے میں رات کو یہ عمل کرتا ہوں کہ ایک ہی مرتبہ میں بیٹھ کر دن کی ساری نعمتوں کا ایک ایک کر کے تصور کرتا ہوں، اور پھر ایک ایک نعمت پر شکر ادا کرتا ہوں، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا،

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھا کھانا دیا۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھا لباس دیا۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اللہ تعالیٰ نے گھر کا ماحول اچھا رکھا۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اللہ تعالیٰ نے مجھے راحت والا مکان عطا فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

اس طرح ہر ہر نعمت کا تصور کر کے اس پر شکر ادا کرتا ہوں، تاکہ کچھ تو شکر ادا ہو جائے۔ لہٰذا رات کو سونے سے پہلے ہم لوگ بھی اس طرح شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں۔

حمد اور شکر کے بہترین کلمات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حمد کے ایسے ایسے کلمات تلقین فرما دیئے کہ اگرچہ حق شکر تو ادا نہیں ہو سکتا، لیکن آدمی ان کلمات کے ذریعہ اپنی سی کوشش کر لے، مثلاً فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حمدًا دَائِماً مَعَ دَوَامِكَ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا مَعَ خُلُوْدِكَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا مُنْتَھٰی لَہٗ دُوْنَ مَشِیَّتِكَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا یُرِیْدُ قَائِلُہٗ اِلَّا رِضَاكَ، وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ طَرْفَةِ كُلِّ عَیْنٍ، وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ تَنَفُّسِ

كُلِّ نَفَسٍ۔

یعنی اے اللہ! آپ کی تعریف ہے، ایسی تعریف کہ جب تک آپ باقی ہیں، وہ تعریف بھی باقی ہے، اے اللہ! آپ کی تعریف ہے ایسی تعریف جو آپ کے ہمیشگی کے ساتھ وہ تعریف بھی ہمیشہ باقی رہے، اور اے اللہ! آپ کی ایسی تعریف کہ وہ تعریف کرنے والا آپ کی رضا کے علاوہ کوئی ارادہ نہیں رکھتا، اور اے اللہ! ہر پلک کے جھپکنے پر آپ کا ایک شکر، اور اے اللہ، ہر سانس کے آنے پر آپ کا ایک شکر۔

حمد و تعریف کے عمدہ کلمات

ایک اور موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے الفاظ سے فرمائی کہ ایک پیغمبر ہی ایسے الفاظ لاسکتا ہے، عام انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا شکر ادا کرے، چنانچہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ زِنَةَ عَرْشِكَ۔

اے اللہ! آپ کے عرش کے وزن کے برابر آپ کی تعریف کرتا ہوں۔ کیا کوئی بندہ ان الفاظ سے تعریف کرے گا؟

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مِدَادَ كَلِمَاتِكَ

اے اللہ! آپ کے کلمات کو لکھنے کے لئے جتنی سیاہی درکار ہوسکتی ہے۔ اس کے برابر آپ کی تعریف ہے۔ جبکہ قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ:

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ (القرآن)

اگر دنیا کے سارے سمندر سیاہی بن جائیں، اور اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کریں تو سارے سمندر ختم ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں، جب یہ سارے سمندر مل کر بھی آپ کے کلمات کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ تو اے اللہ! جتنی بھی سیاہی آپ کے کلمات کے لئے کافی ہو جائے اس سیاہی کے برابر آپ کا شکر۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَدَدَ خَلْقِکَ

اے اللہ! آپ کی جتنی مخلوقات ہیں۔ ان کی گنتی کے برابر آپ کا شکر، صرف انسان نہیں۔ صرف حیوان نہیں، جانور نہیں، بلکہ تمام مخلوقات، جس میں انسان بھی، حیوانات بھی، نباتات بھی، جمادات بھی آ گئے، ساری مخلوق اس میں آ گئی۔ پھر اس سے بھی آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ رِضَا نَفْسِکَ

اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ اب اس کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ شکر کا حق تو بندہ کیا ادا کرے گا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات تلقین فرمائے۔ ان کو یاد کر لیں اور رات کو سونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لیا کریں۔

نعمت کو گناہوں میں استعمال مت کرو

پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نعمت پر شکر کا آخری طریقہ یہ بیان فرمایا کہ:

''اس نعمت کو گناہوں میں استعمال نہ کرنا''

یہ بڑی اہم بات ہے کہ جس نعمت پر تم شکر ادا کر رہے ہو، اس کا سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ وہ نعمت جس نے عطا کی ہے، اس کی مرضی کے خلاف اس نعمت کو استعمال نہ کرو، اس کے حکم کے بغیر استعمال نہ کرو۔ اس کی معصیت میں، اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرو، مثلاً کسی شخص نے آپ کو پچاس ہزار روپے ہدیہ دے، جبکہ آپ کے تصور میں بھی زندگی میں اتنے پیسے ملنے کی امید نہیں تھی۔ جب آپ کے جیب میں وہ پیسے آگئے تو آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اس سے کہا کہ ایسا کرو کہ ان پیسوں سے ایک پستول خریدو اور اس آدمی کو مار دو، قتل کر دو۔ گویا کہ اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کے خلاف استعمال کر رہے ہو، اس سے بڑی ناشکری، اور اس سے بڑی بغاوت اور کیا ہوگی؟

یہ آنکھ کی نعمت کی ناشکری ہے

اسی طرح اللہ جل شانہ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کو ان کی معصیت میں استعمال مت کرو۔ اب اللہ میاں نے فرمایا تھا کہ یہ جو پیسے ہم نے تمہیں دے ہیں، اس کو حلال کاموں میں اور حلال مقاصد میں استعمال کرنا، کسی حرام اور معصیت کے کام میں استعمال مت کرنا۔ لیکن تم نے ان پیسوں کو معصیت اور حرام کام میں استعمال کیا تو اس سے بڑی ناشکری کیا ہوگی؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنکھ کی نعمت عطا فرمائی، یہ بھی عظیم نعمت ہے، ایسی نعمت ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی اس کو حاصل کرنا چاہو تو بھی نہ ملے، لیکن اللہ جل شانہ نے مفت میں یہ نعمت عطا فرما دی، اور پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تمہارا ساتھ دے رہی ہے، نہ اس کی سروس کی ضرورت نہ اس کو گریس کی ضرورت، نہ اس کو پیٹرول اور ڈیزل کی ضرورت، نہ اس کی آور ہالنگ کی ضرورت، لیکن یہ مسلسل

اپنا کام کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا، اس کو خوب استعمال کرو، اس سے مزہ لو، اسی سے راحت حاصل کرو، بس چند چیزوں میں اس کا استعمال مت کرنا۔ وہ یہ کہ کسی نامحرم کو لذت کی نگاہ سے مت دیکھنا، اسی طرح اس کے ذریعہ میرے کسی بندے کو تحقیر کی نگاہ سے مت دیکھنا، بس یہ دو چار کام ہیں ان کو مت کرنا، باقی اس کے ذریعہ ساری دنیا کو دیکھو، لیکن بندہ یہ کہتا ہے کہ نہیں، میں تو اس آنکھ کو اسی جگہ استعمال کروں گا، جس جگہ سے آپ نے منع کیا ہے۔ نامحرم عورتوں کو دیکھوں گا، لوگوں کو حقارت سے دیکھوں گا، اب بتایئے، اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوگی؟

خلاصہ:

لہٰذا جو نعمت اللہ جل شانہ نے عطا فرمائی ہے، اس نعمت کو اس کی معصیت میں نافرمانی میں، گناہوں میں استعمال کرنے سے بچو، یہ بھی شکر کا آخری مطالبہ ہے، بہر حال یہ ''شکر'' بے شمار عبادتوں کا مجموعہ ہے، اور بہت سے روحانی امراض کا علاج ہے، اور انسان کے لئے گھر بیٹھے آسانی کے ساتھ ثواب کے ذخیرے لگانے کا بڑا آسان طریقہ ہے اور اسی طرح رزائل سے محفوظ رہنے اور باطنی امراض سے بچنے کا اور ان کے علاج کا بڑا آسان طریقہ ہے، یہ ''شکر'' اتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو اس ''شکر'' کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

❁❁❁
❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کونسا ہدیہ اللہ کی نعمت ہے؟

مجلس نمبر 102

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی.

تاریخ خطاب : رمضان المبارک 1422ھ

وقت خطاب : بعد نماز ظہر

اصلاحی مجالس : جلد نمبر 7

مجلس نمبر : 102

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کونسا ہدیہ اللہ کی نعمت ہے؟

مجلس نمبر 102

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم، وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین۔ امابعد:

تمہید

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا اصلاح کا یہ طریقہ تھا کہ جو لوگ حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کرتے، یا بیعت ہوتے، وہ لوگ خط کے ذریعہ حضرت والا کو اپنے حالات سے مطلع کرتے رہا کرتے تھے، حضرت والا ان کے حالات کے مناسب ان کے خطوط کا جواب بھی دیا کرتے تھے، یہ اسی قسم کا ایک خط ہے جو ایک طالب اصلاح نے حضرت والا کو لکھا کہ:

ایک طالب اصلاح کا خط:

''احقر کے استاذ جو طبیب ہیں، اچھے مالدار ہیں، وہ خرچ کے متعلق بہت کچھ اعانت کرتے رہتے ہیں، احقر نے عرض بھی کیا کہ گرانی ہوتی ہے، لیکن انہوں نے تسلیم نہیں کیا، ڈر لگتا ہے کہ شاید اس کا منشا مرض ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۶)

دوسرے کے احسان کی وجہ سے گرانی:

ان کو یہ شبہ ہوا کہ میرے استاذ جو طبیب ہیں، بظاہر حکیم ہوں گے اور مالدار بھی ہیں، وہ اکثر پیسے دیتے ہیں اور میری مدد کرتے ہیں، اور کثرت سے ان کے پیسے دینے سے طبیعت پر گرانی اور بوجھ ہوتا ہے، کہ ایک آدمی مسلسل پیسے دئے چلا جا رہا ہے، ان کا احسان بڑھتا ہے اور شریف آدمی دوسرے کا احسان لینا گوارہ نہیں کرتا، اور میں نے ان سے کہا بھی کہ آپ مجھے بار بار پیسے دیتے ہیں، میری طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے، براہ کرم آپ ایسا نہ کریں، لیکن وہ نہیں مانے۔ تو اب اس کے باوجود مجھے جو گرانی ہو رہی ہے، یہ کوئی بیماری تو نہیں؟ اور شرعاً اور اخلاقاً یہ گرانی ہونا درست ہے یا نہیں؟

آج کل شیخ سے یہ کام لئے جاتے ہیں:

یہی باتیں شیخ سے پوچھنے کی ہوتی ہیں۔ آج کل لوگ شیخ سے تعویذ مانگتے ہیں کہ فلاں چیز کا تعویذ دیدو، فلاں چیز کا کوئی وظیفہ بتادو، مثلاً قرض اتارنے کا کیا وظیفہ ہے؟ آمدنی میں اضافہ کرنے کا کیا وظیفہ ہے؟ تعلقات درست کرنے کا کیا وظیفہ ہے؟ دن رات اسی طرح کے سوالات پوچھے جاتے ہیں، اور انہی چیزوں میں دھیان لگا ہوا ہے، آج کل شیخ سے تعویذ لکھوانے کا کام لیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ خواب کی تعبیر پوچھ لی کہ میں نے فلاں خواب دیکھا ہے، اس کی کیا تعبیر ہے؟ بس شیخ اسی کام کے لئے رہ گیا ہے۔

کہیں یہ ناشکری تو نہیں ہے؟

حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنی ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ

لے، جائزہ لے کر پھر شیخ سے پوچھے کہ مجھے یہ بات پیش آئی تھی، یہ درست تھی یا غلط تھی؟ یہ کوئی بیماری تو نہیں تھی۔ اب اس خط کے اندر دیکھیں کہ ان صاحب کو یہ شبہ ہو رہا ہے کہ پیسے لینے سے جو میں انکار کر رہا ہوں اور بار بار اپنی گرانی کا اظہار کر رہا ہوں، کہیں یہ تکبر کے اندر داخل تو نہیں؟ کہیں یہ ناشکری تو نہیں ہے؟ کیونکہ ایک چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہے، اور میں نے اپنی طرف سے منع بھی کر دیا، پھر وہ مجھے دے رہے ہیں، اس کے باوجود ان کے دینے سے مجھے گرانی اور تکلیف ہو رہی ہے۔ کہیں یہ گرانی اور تکلیف ناشکری میں تو داخل نہیں؟ کہیں یہ تکبر میں تو داخل نہیں؟ کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوں، اس لئے لینے سے گریز کر رہا ہوں، یہ سوال ان کے دل میں پیدا ہوا۔

شیخ ان کاموں کیلئے نہیں:

یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ شیخ سے تعلق کا مقصد نہ تو خواب کی تعبیر پوچھنا ہے، اور نہ تعویذ گنڈے لینا ہے، اور نہ ذاتی امور میں مشورہ لینا ہے۔ لوگ شیخ سے پوچھتے ہیں کہ فلاں چیز کی تجارت کروں یا نہ کروں؟ اس کا تعلق شیخ سے نہیں، یہ اور بات ہے کہ شیخ تبرعاً مشورہ دیدے، لیکن فی نفسہ شیخ اس کام کے لئے نہیں ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ شیخ سے معمولات پوچھ لئے کہ کس وقت کونسی تسبیح پڑھا کروں؟ اور کس مقدار میں پڑھا کروں؟ بس شیخ اسی کام کا رہ گیا ہے۔ حقیقت میں یہ بات نہیں۔

ہر وقت دل میں یہ خیال لگا رہنا چاہئے:

اصل بات یہ ہے کہ ہر وقت دل میں ایک کانٹا لگا ہوا ہو کہ فلاں وقت

میں مجھ سے یہ کام سرزد ہوا تھا۔ کہیں کسی بیماری کی وجہ سے تو سرزد نہیں ہوا تھا؟ کہیں تکبر کی وجہ سے، یا حسد کی وجہ سے، یا ناشکری کی وجہ سے تو نہیں ہوا؟ بے صبری کی وجہ سے تو نہیں ہوا، ہر وقت دل میں یہ خیال لگا رہنا چاہئے۔ اور پھر وہ واقعہ بتا کر شیخ سے رجوع کرنا چاہئے...... چونکہ میں لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ شیخ سے تعلق کا مقصد باطنی امراض کا ازالہ، اور اخلاق کا تزکیہ کرنا ہے، اور اسی بارے میں شیخ سے پوچھنا چاہئے نہ یہ کہ خواب کی تعبیر اور تعویذ گنڈے پوچھے جائیں۔ بار بار کہنے کے نتیجے میں لوگوں کی سمجھ میں بات تو آ گئی۔ لیکن اب لوگ اس طرح سے سوال کرتے ہیں کہ ''مجھے یہ شبہ ہے کہ میرے اندر تکبر کی بیماری ہے، میرے اندر حسد ہے، میرے اندر بغض ہے، میرا علاج فرمائیں''......

شیخ عالم الغیب نہیں:

ذرا سوچو تو سہی کہ جس کو خط لکھ رہے ہو، کیا وہ عالم الغیب ہے؟ کہ اس کو پتہ ہے کہ تمہیں جس بیماری کا شبہ ہو رہا ہے وہ شبہ درست ہے، یا غلط ہے، کہاں تکبر کا مظاہرہ ہوتا ہے؟ کہاں بغض کا مظاہرہ ہوتا ہے؟ کہاں حسد کا مظاہرہ ہوتا ہے؟ آپ نے شیخ کو کوئی واقعہ نہیں لکھا، بلکہ یہ لکھ دیا کہ میرے اندر یہ یہ امراض ہیں۔ آپ علاج تجویز فرما دیں۔......

یاد رکھئے! اس لکھنے کا کچھ حاصل نہیں۔ شیخ کو جب تم لکھو، اور تمہیں کسی بیماری کا شبہ ہو، مثلاً تکبر کا، حسد کا، بغض کا، ریاکاری کا، حُبّ جاہ کا، حُبّ مال کا شبہ ہو، تو شیخ کو وہ واقعات بھی لکھو جن کی وجہ سے وہ شبہ پیدا ہوا، نہ یہ کہ صرف یہ لکھدیا کہ میرے اندر ''حُبّ مال'' ہے، میرے اندر ''حُب جاہ'' ہے۔ اس کا علاج کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ہی اپنی طرف سے اپنے مرض کی تشخیص کر لی اور حالات

بتائے نہیں، اور شیخ سے کہا کہ اس کا علاج کر دو۔

ڈاکٹر کے پاس جا کر آپ کیا کرتے ہیں:

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص ڈاکٹر کے پاس جائے اور ڈاکٹر سے کہے کہ میرا جگر خراب ہے، مجھے جگر کی دوا دیدو، خود ہی فیصلہ کر لیا کہ میرا جگر خراب ہے، حالانکہ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک آدمی کے بس کا کام نہیں، آدمی کو خود فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ میرا جگر خراب ہے، یا دل خراب ہے، کیونکہ جو شخص اپنی بیماری خود تشخیص کر لے، اس کی کوئی اور چیز خراب ہو یا نہ ہو، لیکن دماغ ضرور خراب ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے جا کر ڈاکٹر کو وہ وجہ بتاؤ جس کی بنیاد پر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارا ''جگر'' خراب ہے، اپنی تکلیف اور اپنی پریشانی ڈاکٹر کو بتاؤ، عوارض بتاؤ، جب تم تکلیف اور عوارض بتاؤ گے تو پھر ڈاکٹر ان عوارض کی روشنی میں تشخیص کرے گا کہ تمہارا جگر خراب ہے، یا گردہ خراب ہے۔ چونکہ ہر بیماری کے علاج بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لئے کہ جگر کی خرابی کی بہت سی قسمیں ہیں، ہر قسم کی خرابی کے لئے ایک طرح کا علاج تو کارآمد نہیں ہوگا، لہٰذا جب تک تم ڈاکٹر کو عوارض نہیں بتاؤ گے کہ فلاں جگہ تکلیف ہے، فلاں جگہ درد ہے، اس وقت تک ڈاکٹر نہ تو صحیح تشخیص کر سکے گا، اور نہ ہی اس کی صحیح دوا تجویز کر سکے گا۔

پیش آمدہ واقعات شیخ کو لکھو:

بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے شیخ کو یہ لکھدے کہ میرے اندر ''تکبر'' ہے، یا میرے اندر ''حسد'' ہے، یا میرے اندر ''بغض'' ہے، آپ اس کا علاج فرمادیں۔ اس طرح لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ واقعہ لکھو جس کی بنا پر تمہارے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید میرے اندر ''تکبر'' ہے۔ وہ

واقعہ لکھو جس کی وجہ سے تمہیں یہ خیال ہوا کہ شاید میرے اندر ''حسد'' ہے، یا شاید میرے اندر ''بغض'' ہے، جب تم واقعہ لکھو گے تو اس کے ذریعہ شیخ پہچانے گا کہ واقعی تمہارے اندر تکبر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اس قسم کے ''تکبر'' کا کیا علاج ہے؟ پھر وہ علاج شیخ بتائیے گا، لہٰذا صرف اجمالی طور پر بیماری لکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ان صاحب نے پورا واقعہ لکھا:

اب دیکھئے: اوپر جس خط کا ذکر آیا، اس میں آپ نے دیکھا کہ ان صاحب کو شبہ پیدا ہوا، اور قاعدہ کے مطابق انہوں نے پورا واقعہ لکھا، یہ نہیں لکھا کہ میرے اندر یہ بیماری ہے، اس کا علاج بتائیے۔ بلکہ تفصیل سے پورا واقعہ لکھا کہ وہ میرے استاذ ہیں، طبیب ہیں، مالدار ہیں، میری مالی اعانت کرتے رہتے ہیں، میرے منع کرنے کے باوجود نہیں مانتے، اور اس سے مجھے گرانی ہوتی ہے، آیا یہ گرانی ہونا بیماری ہے اور ناشکری میں داخل ہے یا نہیں؟ پوری بات لکھدی۔ بات سمجھ میں آ گئی، اب شیخ اس کا جواب دے گا، اور اس کے نتیجے میں اگر ان صاحب کی غلطی ہے تو اصلاح ہو جائے گی، اور اگر غلطی نہیں ہے، بلکہ یہ طرز عمل درست ہے تو توثیق ہو جائے گی، اور آئندہ کے لئے راہ عمل کھل جائے گا۔

حضرت والا کا جواب:

اب حضرت والا کا جواب سنیئے: فرمایا کہ:

''ڈرنا تو بہت اچھی بات ہے، ڈر ہی سے امن ہے، لیکن جب اپنی طرف سے نہ طلب ہے، نہ اشراف، بلکہ انقباض کو بھی ظاہر کر دیا، پھر بھی وہ خدمت کرتے ہیں تو یہ نعمت ہے،

اس پر گو طبعاً انقباض ہو، مگر عقلاً انبساط ہونا چاہئے، اور اولاً خدا تعالیٰ کا کہ منعم حقیقی ہیں، اور ثانیاً ان صاحب کا کہ منعم مجازی ہیں، یعنی واسطہ نعمت ہیں، شکر ادا کرنا چاہئے، اور وہ شکر حق تعالیٰ کا تو اطاعت ہے اور ان صاحب کا ان کے لئے دعا کرنا ہے"۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۶)

ڈر ہی سے امن ہے:

ان صاحب نے لکھا تھا کہ "ڈر لگتا ہے کہ شاید اس کا منشاء مرض ہو" تو جواب میں حضرت نے فرمایا کہ "ڈرنا تو بہت اچھی بات ہے، ڈر ہی سے امن ہے" کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا: کیونکہ "ڈر" اور "امن"، حقیقت میں یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اس لئے کہ "امن" کا مطلب ہے "بے خوفی" اور ڈر ہے "خوف"، دونوں متضاد ہیں، لیکن فرمایا کہ "ڈر ہی سے امن ہے" یعنی جو آدمی اپنی زندگی میں ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے، میرا کام اللہ کی رضا کے خلاف نہ ہو جائے، مجھ سے گناہ سرزد نہ ہو جائے، ایسے شخص کو انشاء اللہ آخرت میں امن ملے گا، اور اگر دل سے ڈر نکل جائے۔ تو اللہ بچائے، پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے، اور غفلت کا انجام بہت برا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ "ڈرنے سے مت گھبراؤ، اگر تمہیں یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ کوئی بیماری تو نہیں ہے تو یہ ڈرنا بہت اچھی بات ہے، اس لئے کہ ڈر ہی سے امن ہے۔

بغیر اشراف کے آنے والی چیز نعمت ہے:

آگے پھر اصل سوال کا جواب دیا کہ: لیکن جب اپنی طرف سے نہ طلب ہے نہ اشراف، بلکہ انقباض کو بھی ظاہر کر دیا اور پھر بھی وہ خدمت کرتے ہیں، تو یہ

نعمت ہے"، یعنی نہ طلب ہے کہ جا کر ان سے مانگا ہو کہ مجھے اتنے پیسے دیدو، اور اشراف بھی نہیں، "اشراف" کا مطلب ہے کہ انتظار لگا ہوا ہے کہ یہ صاحب مجھے ہر مرتبہ دیتے ہیں، اب کی مرتبہ بھی مجھے کچھ دیں گے، اس انتظار کا نام ہے "اشراف"۔

دراصل عربی زبان میں "اشراف" کے معنی ہیں اُچک اُچک کر دیکھنا، یعنی منہ اٹھا کر اچک کر دیکھنا کہ اس جگہ کیا ہو رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی چیز کو انسان اچک اچک کر دیکھے کہ یہ چیز مجھے مل جائے، یا وہ شخص مجھے یہ چیز دیدے، چاہے جائز طریقے سے دیدے، لیکن دل میں اس چیز کی لالچ اور انتظار لگا ہوا ہے، اصول یہ ہے کہ جو چیز انتظار اور "اشراف" کے بعد ملے اس میں برکت نہیں ہوتی، برکت اس میں ہوتی ہے جس چیز کی نہ تو طلب تھی، اور نہ اشراف تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے غیب سے وہ چیز بھیج دی تو اس چیز میں برکت ہوگی۔

ایسے ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی

مثلاً ایک شخص ہر رمضان میں مجھے ہدیہ دیا کرتا ہے، اب رمضان شروع ہوتے ہی انتظار لگ گیا کہ فلاں شخص ہدیہ لائے گا، اب ہدیہ کا انتظار بھی لگا ہوا ہے، اور اشتیاق بھی لگا ہوا ہے، اور امید بھی ہے، اس کے بعد وہ شخص ہدیہ لے آیا۔ یہ ہدیہ "اشراف" کے بعد آیا، اس ہدیہ کو لینا فقہی اعتبار سے کوئی حرام نہیں، ناجائز نہیں، گناہ نہیں، بلکہ جائز ہے، اور حلال ہے، لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ایسے ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف امید کی نگاہ سے کیوں دیکھا؟ امید باندھتے تو اللہ تعالیٰ سے باندھتے، انتظار لگتا تو اللہ کی عطا کا لگتا، مخلوق کی عطا کا انتظار کیوں لگا؟ اس لئے اس ہدیہ میں بے برکتی

ہوگی۔ اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ وہ روایت اتنی پکی نہیں کہ اشراف نفس کے بعد جو چیز ملے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اس لئے صوفیاء کرام اس کا اہتمام فرماتے ہیں کہ کوئی چیز اشراف نفس کے ساتھ نہ آئے، اور جو چیز اشراف نفس کے ساتھ آئے، اس کو واپس کر دیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ علیہ پر فاقے بہت گزرتے تھے، مجاہدات بھی بہت کرتے تھے، ایک مرتبہ فاقوں سے گزر رہے تھے، ایک مرید نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کمزوری کے آثار ہیں اور بھوک کے آثار ہیں۔ جس کی وجہ سے بولنے میں دقت ہو رہی تھی، مرید نے محسوس کیا کہ شیخ پر فاقے اور بھوک کا عالم ہے، اس لئے شیخ کے لئے میں کچھ کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ مرید عین مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اور جا کر کھانے کا انتظام کیا، اور ایک تھال مین کھانا رکھ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ جب شیخ کے سامنے کھانا پیش کیا تو شیخ نے کھانے سے انکار کر دیا، فرمایا کہ میں نہیں کھاؤں گا، مرید نے ان سے کوئی حجت نہیں کی، بلکہ کھانا اٹھایا اور واپس لے گیا۔ کیونکہ وہ مرید سمجھ گیا کہ شیخ کھانا کھانے سے اس لئے منع کر رہے ہیں کہ جب میں مجلس سے اٹھ کر گیا تھا اس وقت انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ میں مجلس سے اس لئے اٹھ کر گیا ہوں، تا کہ شیخ کے لئے کھانے کا انتظام کروں، چونکہ شیخ کو ''اشراف'' ہوگیا تھا، اس وجہ سے شیخ کھانا کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس لئے مرید نے کوئی حجت نہیں کی، اور کھانا اٹھا کر واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی تھال واپس لے کر آ گیا، اور آ کر کہا حضرت! اب قبول فرمالیں، کیونکہ جب مرید وہ کھانے کا تھال واپس لے کر

چلا گیا تو جو اشراف اور انتظار تھا۔ وہ ختم ہو گیا، چنانچہ شیخ نے وہ کھانا قبول کر لیا اور کھانا کھالیا۔ بہر حال! صوفیاء کرام ''اشراف'' سے بھی بچتے ہیں، تا کہ بے برکتی نہ ہو۔

اللہ کی نعمت سمجھ کر لیلو:

اس لئے حضرت فرما رہے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص آپ کو کوئی چیز اس طرح دے رہا ہے کہ نہ تو آپ کو اس چیز کی طلب ہے اور نہ اشراف ہے۔ اس لئے کہ طلب کر کے مانگ کر کسی سے کوئی ہدیہ لینا بہت گھٹیا حرکت ہے۔ اس لئے کہ اس شخص کے لئے سوال کرنا حرام ہے، جس کے پاس ایک دن ایک رات کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ بلکہ انقباض ہوتا ہے، اور پیسے لینے میں طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ استاد صاحب آپ کی خدمت کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

چیزے کہ بے طلب رسد آں دادۂ خداست
اورا تو رد مکن کہ فرستادۂ خداست

جب اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بغیر طلب کے عطا فرمائی تو یہ اس کی نعمت ہے۔ اس کی عطا ہے، اس کو رد نہیں کرنا، کیونکہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہے۔ لہٰذا جب طلب نہیں تھی، اشراف نہیں تھا، بلکہ لینے میں تھوڑا سا طبیعت پر بوجھ بھی ہے کہ دوسروں کا احسان کیوں لوں، جب یہ سب باتیں موجود ہیں، اس کے باوجود اللہ میاں دے رہے ہیں، کیا اب استغناء برتو گے؟ کہ میں نہیں لیتا۔ ...... العیاذ باللہ ...... یہ بڑی گستاخی کی بات ہے۔ اب استغناء نہیں، جب وہ دے رہے ہیں تو پھر محتاج بن کر لے لو۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ:

جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے لیا۔ ایک مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل خانے میں غسل فرما رہے تھے، اس دوران آپ کے اوپر سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہوگئیں، اب حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل کرنا چھوڑ دیا، اور سونے کی تتلیاں کپڑنے لگے، اور جمع کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایوب! کیا ہم نے تمہیں بہت کچھ مال و دولت نہیں دے رکھا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! آپ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے، لیکن

لَا غِنًی بِی عَنْ بَرَکَتِكَ

اے اللہ! میں آپ کی برکت سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

جب آپ مجھے میری طلب اور انتظار کے بغیر دے رہے ہیں تو کیا میں پھر بھی بے نیازی کا مظاہرہ کروں کہ مجھے یہ نہیں چاہئے؟ میں تو پھر محتاج بن کر اس کی طرف دوڑوں گا، اور اس کو حاصل کروں گا۔ یہ دراصل حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان تھا، کہ دیکھیں کہ آیا وہ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہیں، یا محتاج بن کر اس کو قبول کرتے ہیں، چنانچہ آپ نے اس کو آگے بڑھ کر لے لیا، اور قبول کرلیا۔

محتاج بن کر لو

بہر حال! جب اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں تو پھر بے نیازی کیسی؟ پھر تو محتاج بن کر لو، بلکہ ان سے مانگو، اور کہو یا اللہ، یہ جو آپ نے دیا ہے، آپ کی عطا ہے، آپ کا شکر ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین

خاک برفرقِ قناعت بعد ازیں

جب سلطانِ دین مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں لالچ کا مظاہرہ کروں، میں طمع کا مظاہرہ کروں، تو پھر ایسی حالت میں قناعت کے سر پر خاک ہو، پھر قناعت مطلوب نہیں۔ پھر طمع ہی مطلوب ہے، جب وہ چاہ رہے ہیں کہ ہم طمع کا اظہار کریں تو پھر قناعت نہیں چاہئے، پھر طمع ہی چاہئے۔

ایسی طمع کرنا جائز ہے:

لہٰذا یہ موقع بھی طمع کا ہے۔ اس لئے کہ نہ طلب تھی، نہ اشراف تھا، نہ انتظار تھا، لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا۔ یہ عطاء حق ہے جب عطاء حق ہے تو پھر طمع ہی مطلوب ہے، ''طمع'' اس وقت ناپسندیدہ ہوتی ہے، جب دنیا کی طلب کے ساتھ ہو، اور مخلوق سے ہو، لیکن اللہ میاں سے طلب کرنے میں طمع مطلوب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس کے پاس ایک دن ایک رات کا کھانا موجود ہو، اس کے لئے مخلوق سے سوال کرنا منع ہے، لیکن اللہ میاں سے مانگنا منع نہیں، آدمی چاہئے کتنا ہی کروڑ پتی ہو جائے، ارب پتی ہو جائے، اس کے لئے بھی اللہ میاں سے مانگنا جائز ہے کہ یا اللہ اور دیدے، یہ طمع نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کا اظہار ہے، ہاں دنیا والوں سے مانگنا بری بات ہے۔

اس نعمت کو محتاج بن کر لو

اس لئے حضرت والا نے ان صاحب کو لکھا کہ ''وہ جو خدمت کر رہے ہیں، یہ نعمت ہے، اور اس پر گو طبعاً انقباض ہو، مگر عقلاً انبساط ہونا چاہئے'' یعنی اگرچہ طبعی طور پر گرانی ہو رہی ہے کہ میں ان کا بہت احسان مند ہوتا جا رہا ہوں،

اور طبیعت پر بار ہو رہا ہے، لیکن عقلاً انبساط ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی عطا ہے، ارے وہ دینے والا شخص تو ایک آلہ ہے، حقیقت میں دینے والا تو کوئی اور ہے، وہ تم کو دینا چاہتا ہے، البتہ ان صاحب کو واسطہ بنا دیا ہے، تمہاری طرف سے طلب نہیں تھی، تمہارے دل میں اشراف اور انتظار نہیں تھا۔ اس کے باوجود تمہیں دے رہے ہیں، تو یہ اس کی نعمت ہے۔

چیزے کہ بے طلب رسد آں دادۂ خداست
اورا تو رد مکن کہ فرستادۂ خداست

لہٰذا اس نعمت کو رد مت کرو، بلکہ اس نعمت کو چومتے ہوئے لے لو، اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر لو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال:

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا، خاص طور پر ایسا شخص جس کی مالی حیثیت زیادہ نہ ہوتی، لیکن اس نے اپنی بساط کے مطابق مثلاً ۸ آنے بطور ہدیہ کے دیدئے، یا ایک روپیہ دیدیا تو والد صاحب اس کو بڑی قدر سے لیتے، محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس ہدیہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس پر خوشی کا اظہار بھی فرماتے، یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس کی مکافات اور بدلہ بھی دیتے، لیکن اس کو بڑی قدر و منزلت سے لیتے۔

سب سے زیادہ طیب اور پاکیزہ مال

ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ اس معمولی سے ہدیہ کی اتنی قدر فرماتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ انسان کے جتنے ذرائع آمدنی

ہیں، ان سب ذرائع میں سے اس سے زیادہ طیب اور پاکیزہ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں، جتنا ایک مسلمان کا ہدیہ محبت ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اور جتنے ذرائع آمدنی ہیں، مثلاً تجارت ہے، زراعت ہے، ملازمت ہے، ان سب میں یہ شبہ ہے کہ پتہ نہیں ہم نے اس کا صحیح حق ادا کیا تھا، یا نہیں کیا تھا؟ وہ مال ہمارے لئے پوری طرح حلال ہوا؟ یا نہیں ہوا؟ مثلاً مدرسہ میں ہم نے اسباق پڑھائے، اور اس کی تنخواہ لی، لیکن کیا پتہ کہ جو فرائض مدرسہ کی طرف سے ہمارے ذمے تھے، اور وہ فرائض ادا کئے یا نہیں؟ اور جتنا وقت دینا چاہئے تھا، اتنا وقت دیا؟ اس کا سو فیصد یقین ہے؟ اور اگر وقت تو دیا، لیکن جتنی محنت کے ساتھ، جس توجہ کے ساتھ، جس قابلیت کے ساتھ درس دینا چاہئے تھا۔ وہ قابلیت، وہ محنت موجود تھی؟ کیا اس کا سو فیصد یقین ہے؟ ہوسکتا ہے کہ وقت میں کمی رہ گئی ہو، ہوسکتا ہے کہ توجہ میں کمی رہ گئی ہو، ہوسکتا ہے کہ قابلیت اتنی نہ ہو، اور خواہ مخواہ پڑھانے بیٹھ گئے، یہ سارے احتمالات موجود ہیں۔ لہٰذا تنخواہ پر بھی ان شبہات کے سائے پڑے ہوئے ہیں کہ وہ تنخواہ میرے لئے حلال اور طیب ہے یا نہیں؟

تجارت کی آمدنی میں بھی شبہ:

یا مثلاً تجارت کے ذریعہ جو پیسے کمائے، کیا وہ پیسے حلال ہیں؟ مفتی صاحب سے فتویٰ لو گے تو وہ کہیں گے کہ یہ پیسے حلال ہیں، لیکن کیا پتہ کہ تجارت کے دوران کس وقت کس حکم شرعی کی خلاف ورزی ہوگئی ہو، جس کی وجہ سے اس کا اثر اس آمدنی پر پڑ گیا ہو۔ لہٰذا ہر جگہ یہ شبہات موجود ہیں۔ لیکن ایک مسلمان محبت اور خلوص کے ساتھ آپ کے پاس کوئی ہدیہ لے کر آیا، اور اس نے آکر پیش کیا، اور اس کا مقصد اللہ کی وجہ سے محبت کے علاوہ کچھ اور نہیں، اخلاص کے ساتھ اس

نے ہدیہ دیا، وہ ہدیہ تو ایسا ہے جیسے آسمان سے ابھی کوثر سے دھل کر آ رہا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کے دل میں ڈالا ہے، دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں، واسطہ بنا دیں، جب ان کی طرف سے آ رہا ہے تو اس کے حلال طیب ہونے میں کوئی شائبہ نہیں، اس لئے کہ یہ کسی خدمت کے معاوضہ میں تو نہیں دیا جا رہا ہے۔ نہ کسی اور چیز کے معاوضہ میں ہے، جس کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو معلوم نہیں کہ یہ معاوضہ درست ہوا، یا نہیں؟ بلکہ یہ تو ان کی خالص عطا ہے۔ جو حلال وطیب ہے۔

غریب کے ہدیہ میں اخلاص ہوتا ہے:

فرمایا کرتے تھے کہ خاص طور پر مجھے ان غریب لوگوں کے ہدیہ سے بہت خوش ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے دینے میں اخلاص کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی غریب نے ہدیہ کے طور پر ایک آنہ دیا تو وہ میرے لئے ہزار روپے سے بہتر ہے، اس لئے کہ وہ اخلاص کے ساتھ دے رہا ہے، دولت مند اور مالدار لوگ دکھاوے کے طور پر بھی ہدیہ دے سکتے ہیں، اور دوسرے مقاصد بھی ان کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن غریب کے ہدیہ میں یہ چیز نہیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

وہ ہدیہ ہو، رشوت نہ ہو:

البتہ یہ سمجھ لیں کہ وہ ہدیہ واقعتہً ہدیہ ہی ہو، رشوت نہ ہو، آج کل ہمارے معاشرے میں ہدیہ کے نام سے رشوت کا بہت رواج ہو چکا ہے، نام ہدیہ ہے کہ یہ آپ کے لئے تحفہ ہے، جبکہ حقیقت میں وہ آگ کا انگارہ ہے، جس ہدیہ میں رشوت کا شائبہ ہو، اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں۔ ایسے ہدیہ سے

بھاگو۔ اسی لئے فرمایا کہ قاضی ان لوگوں کا ہدیہ قبول نہ کرے، جن کے مقدمات اس کے پاس آتے ہوں، اگرچہ فقہی مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص پہلے سے ہدیہ دیا کرتا تھا تو اس کا ھدیہ قبول کرنا جائز ہے، اور اگر قاضی بننے کے بعد دینا شروع کیا تو اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ لیکن محتاط حضرات نے فرمایا کہ اس چکر میں نہیں پڑنا چاہئے، بس قاضی ہدیہ قبول ہی نہ کرے، اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ وہ رشوت ہوگی۔

تقریبات میں دیا جانے والا ہدیہ

اسی طرح ایسا ہدیہ جو سماج اور معاشرے کے دباؤ سے دیا جائے، وہ اگرچہ رشوت نہ سہی، لیکن زبردستی کا ہدیہ ہے، مثلاً شادی کے موقع پر تحفہ دینا ضروری سمجھ لیا گیا ہے، چاہے دل نہیں چاہ رہا ہو، کیونکہ اگر تحفہ نہیں دیں گے، تو معاشرے میں ناک کٹ جائے گی، اس وجہ سے دینا ضروری ہے، اب اس ناک کٹنے سے بچنے کے لئے وہ تحفہ دیا جارہا ہے، لہٰذا نہ دینے والے کے لئے برکت، اور نہ لینے والے کے لئے برکت، نہ دینے والے کے لئے جائز، اور نہ لینے والے کے لئے جائز، کیونکہ کسی مسلمان کا مال طیب نفس اور خوش دلی کے بغیر حلال نہیں، ہاں! جو ہدیہ اللہ کے لئے کسی مسلمان کو دیا جائے اور تَهَادَوْتَحَابُّوْا والی حدیث پر عمل کرتے ہوئے دیا جائے تو اس ہدیہ میں بڑی برکت ہے۔

بندوں کا شکر بھی ادا کرو

آخر میں ان صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''اوّلاً اللہ تعالیٰ جو منعم حقیقی ہیں'' ان کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور ثانیاً ان صاحب کا کہ منعم مجازی

ہیں۔ یعنی جنہوں نے وہ ہدیہ دیا۔ وہ حقیقتاً تو دینے والے نہیں ہیں، دینے والے تو اللہ تعالیٰ تھے۔ لیکن مجازی طور پر، یا ظاہری طور پر انہی کے ذریعہ وہ ہدیہ ملا، لہٰذا وہ واسطہ نعمت ہیں، یعنی وہ اس نعمت کا واسطہ بن گئے، اس لئے ان کا بھی شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور شکر حق تعالیٰ کا تو اطاعت ہے، اور ان صاحب کا شکر ان کے لئے دعا کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب کے عطا فرمایا تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور جو ظاہری دینے والا ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔ لہٰذا زبانی شکر بھی ادا کرو، اور کہو کہ آپ کا شکریہ: جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاء اور بہترین شکریہ "جزاک اللہ" کہنا ہے۔ کیونکہ اس میں شکر بھی ادا ہو گیا، اور اس کے حق میں دعا بھی ہو گئی۔

ہدیہ حلال آمدنی کا ہو:

لیکن ہدیہ قبول کرنے کی بہت سی شرائط اور آداب ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ہدیہ حلال آمدنی سے دیا گیا ہو۔ حرام آمدنی کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کو استعمال کرنا جائز نہیں، اگر کبھی حرام آمدنی کا ہدیہ آ جائے تو بغیر نیت ثواب کے کسی فقیر کو دیدو۔ البتہ یہ اس وقت ہے جب کہ اس شخص کی غالب آمدنی، اکثر آمدنی حرام ہو، لیکن اگر غالب آمدنی حلال ہو، اور کچھ آمدنی حرام ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے، لیکن جہاں غالب آمدنی حرام ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اگر لے لیا تو صدقہ کرنا واجب ہے۔

ہدیہ رشوت نہ ہو:

دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں یہ اندیشہ ہو کہ یہ ہدیہ اخلاص کے ساتھ نہیں

آرہا ہے، بلکہ اس میں دینے والے کے کس مقصد کا شائبہ ہے، مثلاً رشوت کا شائبہ ہے تو ایسا ہدیہ قبول کرنا کوئی ضروری نہیں، احتیاط یہ ہے کہ اس کو قبول نہ کرے۔ لیکن اگر رشوت ہونے کا یقین ہو تو پھر تو قبول کرنا جائز بھی نہیں۔

اپنی حیثیت سے زائد ہدیہ دینا:

ہدیہ کا ایک ادب یہ ہے کہ جہاں ھدیہ دینے میں اخلاص کے اندر تو کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن یہ پتہ ہے کہ یہ ہدیہ دینے والا ہدیہ دینے کے بعد تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا، مثلاً ایک غریب آدمی جس کی ماہانہ آمدنی تین ہزار روپے ہے، اب وہ شخص تین ہزار روپے بطور ہدیہ کے لے آیا تو اس میں اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ شخص اگرچہ اخلاص کے ساتھ ہدیہ لایا ہے، لیکن بعد میں تکلیف میں مبتلا ہوگا تو اس شخص کو تکلیف سے بچانے کی خاطر ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔

ہدیہ واپس کرنا:

ایک ادب یہ ہے کہ بعض اوقات ہدیہ دینے والے کی اخلاقی تربیت مقصود ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ ہدیہ واپس کر دیا جاتا ہے، مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ علیہ کا اصول یہ تھا کہ اگر کسی شخص سے پہلے سے کوئی واقفیت نہیں، اس سے ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ کس غرض سے لایا ہے۔ اسی طرح ہدیہ دینے والے کو چاہئے کہ ہدیہ اس طرح دے کہ لینے والے پر بار نہ ہو۔ مثلاً ہدیہ میں کوئی بڑی چیز دیدی تو اب لینے والے پر بار ہوگا کہ اس نے اتنا بڑا ہدیہ دیدیا، یہ بھی مناسب نہیں۔

خلاصہ:

بہر حال! یہ سب ہدیہ کے آداب ہیں، اگر ان سب آداب اور شرائط کے ساتھ کوئی ہدیہ اللہ تعالیٰ کی طرف آ جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر قبول کر لے، اور اللہ کا شکر ادا کرے، اور دینے والے کا بھی شکر ادا کرے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدلِلّٰہ ربّ العالمین

بسم الله الرحمن الرحيم

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

صدق الله العظيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راحت حاصل کرنے کا طریقہ

مجلس نمبر 103

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن
استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دار العلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	103

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راحت حاصل کرنے کا طریقہ

مجلس نمبر 103

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علیٰ رسوله الکریم، وعلی آله وأصحابه اجمعین۔ امابعد:

تمہید

پچھلے دنوں میں تین باتوں کا بیان الحمدللہ بقدر ضرورت ہوگیا، ایک خوف ورجا کا، دوسرے صبر کا، تیسرے شکر کا...... اب شاید یہ آخری دن ہو، آگے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے جو بیان فرمایا ہے وہ تفویض اور توکل سے متعلق ہے اور یہ بھی انہی صفات باطنہ میں سے ہے جن کی تحصیل ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، مسلمان کے دل میں تفویض بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کامل ہونی چاہئے اور توکل بھی کامل ہونا چاہئے۔

تفویض اور توکل کے معنی:

''تفویض'' کے معنی ہیں کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا کہ جو کچھ اللہ جل شانہ میرے حق میں فیصلہ فرمائیں گے، میں اس پر راضی رہوں گا، اور وہ فیصلہ ہی برحق ہوگا، چاہے مجھے اس سے تکلیف پہنچ رہی ہو۔ چاہے مجھے اس سے رنج ہو

رہا ہو، یہ مطلب ہے ''تفویض'' کا، اور توکل کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ پر بھروسہ رکھنا کہ جو کچھ اس کائنات میں ہوگا، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت سے ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ہوگا، اور میرے حق میں بالآخر بہتر ہوگا۔ یہ مطلب ہے ''توکل'' کا، یہ دونوں چیزیں حاصل کرنے کی ہیں، دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، زیادہ فرق نہیں ہے۔

''تفویض'' حاصل کرنے کا طریقہ:

''تفویض'' کو حاصل کرنے کا طریقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ کے اندر بیان فرمارہے ہیں کہ:

> ''خدا کی تجویز میں اپنی تجویز کو فنا کردو، ابتداء میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادے اور تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے، پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔''

ایک اور ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ:

> ''اپنے ارادے کو خدا کے ارادے کا تابع کردے، جو کچھ ہوگا، ہم اس پر راضی ہیں، اس پر عمل شروع کر دیجئے اور برابر کرتے رہیئے، انشاء اللہ ایک دن ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے گا، اور اسی سے راحت حاصل ہوگی، بدون اس کے راحت نہیں مل سکتی، اور یہ کچھ مشکل نہیں، کیونکہ کثرت تکرار سے سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے جو لوگ آج کل پختہ

حافظ ہیں، وہ پہلے دن سے پختہ نہیں ہوئے، بلکہ کثرت تکرار
سے پختہ بنے ہیں، یا جو آج خوشنویس ہے، وہ کثرت مشق
سے ہی خوش نویس ہوا ہے، اسی طرح کثرت تکرار سے
''تفویض'' حاصل ہو جائے گا، یہی عین عبدیت ہے، اور
بندگی ہے، اور غلام کو ایسا ہی ہونا چاہئے''

(انفاس عیسیٰ، ص ۲۱۷)

یعنی یہ مقام کہ انسان اپنا ہر معاملہ اللہ کے حوالے کر دے، اللہ کے سپرد کر دے، اور اس پر بھروسہ رکھے کہ جو کچھ وہ کریں گے، وہی برحق ہوگا اور حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوگا، یہ مقام مشق سے حاصل ہوتا ہے۔

تدبیر کرنا ''تفویض'' کے منافی نہیں:

پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ ''تفویض'' یعنی اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا، یہ ''تدبیر'' کے منافی نہیں ہے، بلکہ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ تدبیر کرنے کے بعد پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ میرے بس میں جو کچھ تھا، وہ میں نے کر لیا، میرے بس میں اتنا ہی تھا، اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائیں گے، وہ برحق ہوگا اور حکمت کے مطابق ہوگا، میں اس فیصلے پر راضی ہوں...... مثلاً ایک بیماری آ گئی، تو آپ نے پہلے تدبیر کی، وہ یہ کہ اپنے خیال میں جو بہتر معالج ہو سکتا تھا، اس سے رجوع کیا، اس معالج نے جو دوا بتائی، بازار سے جا کر وہ دوا خریدی، اور جس وقت میں کھانے کے لئے کہا تھا، اس کے مطابق دوا کھائی، یہ ساری تدبیر کر لی، تدبیر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ یا اللہ، میرے بس میں یہی تھا کہ معالج کے پاس چلا جاؤں، اور پھر اس کے کہنے کے مطابق بازار

سے دوا لا کر کھانا شروع کر دوں، اور پھر آپ سے دعا کروں کہ اے اللہ! مجھے شفا عطا فرما دیجئے، اب میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا، اب آپ جو کچھ فیصلہ کریں گے، میں اس پر راضی ہوں وہ فیصلہ آپ کی حکمت کے عین مطابق ہوگا۔

اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ○

(سورۃ المومن، آیت ۴۴)

یعنی میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، اللہ کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے، یہ ہے تفویض، جو تدبیر کے منافی نہیں۔

تدبیر کے بغیر "تفویض" کرنا غلط ہے:

بعض لوگ وہ ہیں جو "تدبیر" کے بغیر "تفویض" پر عمل کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھئے، یہ شریعت کا تقاضہ نہیں۔ مثلاً بیماری آ گئی، اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں علاج نہیں کرتا، اور میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا، اب نہ کسی معالج کے پاس جاتا ہے، نہ علاج کرتا ہے، نہ دوا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا، یہ "تفویض" مطلوب نہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرو...... یا مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں نہ تو ملازمت کروں گا، نہ زراعت کروں گا، بس میں تو گھر میں بیٹھا ہوں اور میں تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں، یہ تفویض مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب یہ ہے کہ رزق حلال کی تلاش میں نکلو، اور اس کے لئے جو اسباب اور تدابیر ہو سکتی ہیں، ان کو اختیار کرو، اور کوشش کرو، اس کے بعد پھر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو کہ یا اللہ، میرے کرنے کا جو کام تھا، وہ میں نے کر لیا، اب آگے کا معاملہ آپ کے حوالے

کرتا ہوں، آپ جو فیصلہ کریں گے میں اسی پر راضی ہوں۔ یہ مطلب ہے، ''تفویض'' اور ''توکل'' کا، لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تدبیر کے بغیر توکل کرلو، وہ لوگ اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔

اونٹ کی پنڈلی باندھو، پھر توکل کرو:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں سفر میں جاتا ہوں، اور میں اونٹنی پر سفر کرتا ہوں، سفر کے دوران کہیں رکنے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً مجھے نماز پڑھنی ہے، چنانچہ میں اس اونٹنی سے اتر کر نماز پڑھتا ہوں، اب کیا اس وقت میں اس اونٹنی کو باندھ دیا کروں، تاکہ یہ کہیں نماز پڑھنے کے دوران بھاگ نہ جائے، یا میں اللہ تعالیٰ پر توکل کروں کہ جب میں اللہ کی عبادت کر رہا ہوں تو وہی میری اونٹنی کی حفاظت کرے گا اور دیکھ بھال بھی کرے گا اور اس کو بھاگنے نہیں دے گا...... جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا:

اِعْقِلْ سَاقَهَا وَ تَوَکَّلْ

پہلے اس اونٹ کی پنڈلی باندھو، اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ یعنی تمہارے اختیار میں یہ ہے کہ تم اس کو رسی سے باندھ دو، اور باندھنے کے بعد پھر اللہ پر بھروسہ کرو کہ میرے کرنے کا جو کام تھا وہ میں نے کرلیا، اب دل میں جو مختلف قسم کے خیالات آرہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ میرے نماز پڑھنے کے دوران وہ اونٹ کہیں رسی توڑ کر نہ بھاگ جائے، ہوسکتا ہے کہ کوئی چور یا ڈاکو اس کی رسی کاٹ کر اس کو لے جائے، ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو، اور یہ کہو کہ میرے کرنے کا جو کام تھا وہ میں نے کرلیا، اب میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت

فرمائیں گے، اور اگر بالفرض یہ اونٹنی چلی بھی گئی تو میں اس پر بھی راضی ہوں۔

برتوکل پایہ اشتر بند:

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

برتوکل پایۂ اشتر بند

کہ توکل کے اوپر اونٹ کا پاؤں باندھدو۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار نہ کرو، اور تدبیریں چھوڑ دو۔ اور اللہ پر بھروسہ کرو، وہ لوگ توکل کی صحیح تشریح نہیں کرتے اور خود بھی مغالطے میں مبتلا ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی مغالطے میں مبتلا کرتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ وہ سارے اسباب اختیار کرنے کے بعد جو اپنے بس میں ہیں اور تدبیر کر لینے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے۔

اسباب میں تاثیر اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں:

یہ بات یاد رکھو کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ تدبیر کرنے کے بعد اور اسباب اختیار کرنے کے بعد اس بات کا اعتقاد کامل دل میں بیٹھا ہوا ہو کہ یہ اسباب اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اور ان اسباب میں تاثیر اللہ جل شانہ کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی، وہ اگر چاہیں گے تو ہوگی، نہیں چاہیں گے، تو نہیں ہوگی...... مثلاً میں اس بیماری کی دوا بیشک لے رہا ہوں، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں آجائے گا، اس وقت تک یہ دوا اثر نہیں کرے گی، اور ان کی اذن اور مشیت کے بغیر یہ دوا فائدہ مند نہیں ہوگی، یہ اعتقاد دل میں مکمل ہونا چاہئے، اس کا نام توکل ہے کہ بھروسہ اللہ پر ہے، اور اس دوا پر بھروسہ نہیں، البتہ اسباب اس لئے اختیار کر رہا ہوں کہ مجھے اس کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اس لئے یہ اسباب اختیار کر رہا ہوں۔

ایک مؤمن اور کافر میں فرق:

بس یہی فرق ہے ایک کافر میں اور ایک مومن میں، اور ایک غافل میں اور ایک سالک میں، کافر اور غافل کی نگاہ مکمل طور پر اسباب پر ہوتی ہے، مثلاً یہ دوا اچھی ہے، اور یہ دوا خراب ہے، اس دوا سے فائدہ ہوتا ہے اور اس دوا سے فائدہ نہیں ہوتا، یہ تدبیر کار آمد ہے، یہ تدبیر کار آمد نہیں، سارا بھروسہ ان تدبیروں پر اور اسباب پر ہوتا ہے، جبکہ ایک مومن اور ایک سالک اسباب تو اختیار کرتا ہے، لیکن بھروسہ ان اسباب پر نہیں کرتا، اس لئے کہا جاتا ہے کہ ''عارف'' جامع اضداد ہوتا ہے کہ اسباب اختیار بھی کرتا ہے، لیکن اختیار کرنے کے بعد ان پر بھروسہ بھی نہیں کرتا، بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ بات سمجھے ہوئے ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز ایک وقت میں فائدہ مند ہو جاتی ہے، اور دوسرے وقت میں نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

فائدہ کروں یا نقصان:

وہی دوا ہے، وہی مریض ہے، وہی مرض ہے، جب پہلے اس مریض کو اس مرض میں وہ دوا دی تھی، اس وقت اس کو فائدہ ہو گیا تھا، جب بعد میں کچھ عرصہ کے بعد وہی بیماری اسی مریض کو پیدا ہوئی، وہی دوا دی گئی، وہ دوا الٹی پڑ گئی، اور فائدہ نہیں ہوا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معالج ایک ڈاکٹر صاحب تھے، ڈاکٹر صغیر احمد ہاشمی صاحب بوڑھے ہو گئے تھے،

۷۵ سال تقریباً عمر تھی، وہ کہا کرتے تھے کہ میری ساری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ جب دوا مریض کے جسم میں داخل ہوتی ہے تو پہلے وہ اللہ تعالیٰ سے پوچھتی کہ کیا کروں؟ کیا نہ کروں؟ فائدہ کروں؟ یا نقصان کر جاؤں؟ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جو حکم مل جاتا ہے، اس کے مطابق وہ عمل کر گزرتی ہے، بہر حال! کسی تدبیر پر کوئی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، تدبیر کرنے کا چونکہ حکم ہے، اس لئے تدبیر کر رہے ہیں، اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے، اس لئے اسباب اختیار کر رہے ہیں، لیکن بھروسہ اسی ذات پر ہے۔

ہمارا ذہن اسباب میں الجھا ہوا ہے:

مومن کا ان تمام باتوں پر اعتقاد تو ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا ہے، اللہ کے سوا کوئی بھی تاثیر پیدا نہیں کرسکتا، لیکن اس طریق میں آنے کے بعد وہ اعتقاد انسان کا حال اور مقام بن جاتا ہے، یعنی ایک تو یہ ہے کہ آپ اس پر ایمان بھی لائے، اور دل میں اعتقاد بھی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ حکم سے ہوتا ہے، اسی کی حکمت جاری ہے، لیکن اس اعتقاد کے ساتھ جب کاروبار زندگی میں داخل ہوتا ہے تو وہ اعتقاد ذہن کے کسی کونے میں پڑا ہوتا ہے، اس اعتقاد کا دھیان اور استحضار نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعتقاد ہونے کے باوجود ذہن اسباب ہی میں الجھا رہتا ہے، ان اسباب سے آگے کی وہ سوچتا ہی نہیں۔

سالک کو یہ اعتقاد کامل ہو جاتا ہے:

لیکن جس سالک کی تربیت اللہ والوں کے ذریعہ ہو جاتی ہے، تو پھر وہ

اعتقاد جو اس کے دماغ کے کسی کونے میں پڑا ہوا تھا، وہ اعتقاد اس سالک کی رگ و پے میں سرائیت کر جاتا ہے، لہٰذا جب بھی وہ کوئی کام کرے گا، اس وقت اس اعتقاد کا دھیان اس کے دل و دماغ میں ہوگا، اور اس دھیان اور استحضار کے ساتھ اس کام کو کرے گا، یہ فرق ہوتا ہے ایک سالک اور غیر سالک کے درمیان کہ اعتقاد کے درجے میں اور چیز ہے اور عمل کے درجے میں اور چیز ہے، اللہ والوں کے پاس جا کر ان کی صحبت سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہی ہے، دیکھئے کہ اعتقاد تو اس کو پہلے سے حاصل تھا، لیکن وہ دماغ کے کسی کونے میں پڑا ہوا تھا، اور اب اللہ والوں کی صحبت کے نتیجے میں اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گیا، اب دماغ جانتا ہے کہ یہ اسباب سب بے حقیقت چیز ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ تاثیر پیدا کریں گے تو فائدہ ہوگا، تاثیر پیدا نہیں کریں گے تو فائدہ نہیں ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ تاثیر یا عدم تاثیر کا کریں گے وہ فیصلہ برحق ہوگا، یہ سب باتیں اس سالک کا ''حال'' بن جاتی ہیں، اور اس کے رگ و پے میں سرائیت کر جاتی ہیں۔

اسباب میں ناکامی توکل کا موقع نہیں:

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''توکل'' ہونے یا نہ ہونے کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کسی مقصد کے حاصل کرنے میں ظاہری اسباب ناکام ہو رہے ہوں، مثلاً ایک آدمی بیمار ہے، وہ اپنا علاج کرا رہا ہے، دوا کھا رہا ہے، لیکن فائدہ نہیں ہو رہا ہے، ایسے موقع پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ''توکل'' کے امتحان کا موقع ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ توکل کے امتحان کا موقع نہیں ہے، اس لئے کہ جن اسباب کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان اسباب سے فائدہ

نہیں ہورہا ہے، تو اس وقت آپ لامحالہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ان اسباب سے فائدہ پہنچانا منظور نہیں ہے، اس لئے فائدہ نہیں ہو رہا ہے، یہاں تو توکل کے امتحان کا موقع نہیں ہے۔ کیونکہ اس موقع پر خود بخود دل ودماغ میں توکل پیدا ہو جائے گا، اس لئے کہ ظاہری اسباب خراب ہو رہے ہیں، اور ان سے فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف ذہن جائے گا۔

اسباب موجود ہونے کے وقت توکل کرو:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''توکل کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کہ اسباب پوری طرح سو فیصد کارآمد ہو رہے ہیں، اور یہ یقین ہے کہ بظاہر ان اسباب سے یہ نتیجہ نکل آئے گا، جیسے مثلاً آپ کو بھوک لگی ہے، اور گھر میں کھانا پکا ہوا تیار ہے، آپ نے گھر والوں سے کہا کہ کھانا نکالدو، تاکہ کھانا کھائیں، گھر والوں نے دسترخوان پر کھانا لگالیا، آپ ہاتھ دھوکر کھانا کھانے بیٹھ گئے، اب کیا کسر رہ گئی کھانے میں؟ کچھ نہیں، بس ہاتھ بڑھائیں گے اور کھانا کھالیں گے اور بھوک دور ہو جائے گی، کیونکہ بھوک دور کرنے کے سارے اسباب سو فیصد مہیا ہیں اور اس بات کا آپ کو پورا یقین ہے کہ اب ہماری بھوک مٹنے کا وقت آ گیا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ توکل کے امتحان کا موقع ہے کہ آیا اس وقت بھوک مٹنے کے لئے نگاہ اس کھانے کی طرف جارہی ہے، یا کھانے کے پیدا کرنے والے کی طرف جارہی ہے؟ یہ ہے توکل کا امتحان...... اب اگر اس وقت نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف جارہی ہے اور آدمی یہ سوچ رہا ہے کہ اگرچہ یہ سارے اسباب بھوک مٹانے کے موجود ہیں، لیکن جب تک ان کا حکم نہیں ہوگا، اس وقت تک یہ کھانا نہ حلق سے اترے گا، نہ یہ کھانا میری بھوک دور کرے گا، اور نہ یہ کھانا

میری صحت کا سبب بنے گا۔

سب کام اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں:

اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان جانا کہ اگرچہ سب اسباب مہیا ہیں، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، ہاتھ بھی موجود ہیں، صحت مند ہوں، جب چاہوں گا، نوالہ اٹھا کر کھالوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ اگر نہ چاہیں تو ان تمام اسباب کے موجود ہوتے ہوئے بھی میں کھانا نہ کھا سکوں گا، مثلاً یہ کہ میرا ہاتھ شل ہو جائے، اور میں وہ کھانا نہ کھا سکوں، یا کھانے میں کتا آ کر منہ ڈال دے، اور میں یہ کھانا نہ کھا سکوں، یا کوئی اور آفت آ جائے، جس کی وجہ سے مجھے ہڑ، بڑا کر بھاگنا پڑے، اور میں یہ کھانا نہ کھا سکوں، اور اگر کھا بھی لوں، تب بھی اس کھانیکا حلق سے اتر کر میرے لئے جزو بدن بنانا اور میرے لئے صحت کا سبب بننا، یہ صرف اللہ کا کام ہے، ورنہ کیا معلوم کہ کھانا کھا کر ہیضہ میں مبتلا ہو جاؤں، اور یا بدہضمی ہو جائے، یا فوڈ پائزننگ ہو جائے، یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ میرے بھوک مٹنے کا اور بھوک دور ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور بدن کو قوت حاصل ہونے کا وقت آ گیا؟ نہیں، بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اس کی مشیت ہوگی تو یہ سب کچھ ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔

بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

لہٰذا ''توکل'' کا امتحان اس وقت ہے جب سارے اسباب پوری طرح مہیا ہوں، کہ اس وقت نگاہ کہاں جا رہی ہے؟ اللہ والوں کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے کہ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ جانے لگتی ہے، اور یہ جو

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب کھانا شروع کرو تو پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھو، یہ حکم درحقیقت اسی طرف دھیان کو لے جانے کے لئے ہے کہ بظاہر تم یہ سوچ رہے ہو کہ کھانا سامنے موجود ہے اور میں اس کو کھالوں گا، اور اس سے میری بھوک مٹ جائے گی، لیکن یہ بات کبھی بھی دماغ میں مت لانا کہ یہ کھانے کا وجود تمہاری قوت بازو کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ کھانا کسی دینے والے کی دین نہ ہوتی تو تمہاری مجال نہیں تھی کہ اس کھانے کو مہیا کر پاتے۔

دھیان اللہ کی طرف کرلو:

دوسرے یہ خیال کبھی بھی ذہن میں نہ لانا کہ اب یہ کھانا میرے سامنے آ گیا، اب میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ اب لازماً اس کھانے کے ذریعہ مجھے قوت حاصل ہو جائے گی، اور مجھے صحت حاصل ہو جائے گی، یاد رکھئے، جب تک ان کا حکم نہیں ہوگا، اس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا کھانا کھاؤ تو پہلے اس کا نام لو اور کہو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن ہے، جو رحیم ہے، جس نے اپنی رحمت سے یہ کھانا دیا ہے اور اپنی رحمت ہی سے یہ کھانا کھلائے گا اور اپنی رحمت ہی سے اس کھانے کو میرے لئے مفید بنائے گا، اس دھیان کو متوجہ کرنے کے لئے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے، یہ کوئی منتر نہیں ہے جو تم سے پڑھوایا جارہا ہے کہ کھانے سے پہلے یہ منتر پڑھ کر پھونک مارلیا کرو، بلکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لانے کے لئے پڑھوایا جارہا ہے۔

کھانا سامنے آنے پر دعا

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ دیکھو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا سامنے آنے پر دو دعائیں تلقین فرمائیں، جب کھانا سامنے آئے تو آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ بِمَا رَزَقْتَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّة

ابھی کھانا شروع نہیں کیا، ابھی بسم اللہ نہیں پڑھی، بلکہ ابھی آپ دسترخوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے آ گیا تو اس وقت یہ دعا پڑھو کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ رزق میری کسی طاقت اور قوت کے بغیر عطا فرمایا، یہ رزق میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ آپ کی عطا ہے۔

کھانا کھلانا علیحدہ نعمت ہے:

پھر جب کھانا شروع کرو تو یہ دعا پڑھو: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور جب کھانا کھا چکے تو اب کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ کھانا کھلایا، اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں کے اندر پیدا کیا۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو "رَزَقْنَا" پر الگ شکر ادا کیا اور "اَطْعَمَنَا" پر الگ شکر ادا کیا، کیونکہ "رَزَقْنَا" پر شکر یہ ہے کہ اے اللہ، آپ کا شکر ہے آپ نے مجھے یہ کھانا دیا، کیونکہ رزق دینا یہ ایک مستقل نعمت ہے اور دوسرے شکر یہ ہے کہ مجھے وہ کھانا کھلایا، کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق تو دیا ہوتا، لیکن کوئی ایسی بیماری ہوتی کہ ڈاکٹر نے کھانے سے منع کر دیا ہے، اب یہ صورت ہے کہ انواع و اقسام کی تمام نعمتیں موجود ہیں، کھانے بھی موجود ہیں، پھل بھی موجود ہیں، میوے بھی موجود ہیں، ساری دنیا

کی نعمتیں ہیں، لیکن فرج میں موجود ہیں، اور ڈاکٹر نے کہہ رکھا ہے کہ خبردار کسی کو استعمال مت کرنا، اب ''رَزَقْنَا'' تو پایا جارہا ہے، لیکن ''اَطْعَمَنَا'' نہیں پایا جارہا ہے۔

بھوک لگنا علیحدہ نعمت ہے:

یا کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا، اور کھانے کے لئے بیٹھے، عین اس وقت کوئی پریشانی کی خبر آگئی جس کے نتیجے میں اس کھانے کی لذت ہی نہیں آئی۔ سب کھانا پینا چھوڑ کر بھاگنا پڑا، تو اس صورت میں ''رَزَقْنَا'' تو پایا گیا، لیکن ''اَطْعَمَنَا'' نہیں پایا گیا، یا گھر میں انواع واقسام کے کھانے موجود ہیں، لیکن بھوک غائب ہے، بھوک نہیں لگتی، ''رَزَقْنَا'' تو ہے، لیکن ''اَطْعَمَنَا'' نہیں ہے، اس لئے یہ دونوں نعمتیں الگ الگ ہیں، اللہ تعالیٰ کا تمہیں رزق دینا ایک مستقل نعمت ہے اور کھلانا ایک مستقل نعمت، اس لئے یہ حکم دیا کہ جب کھانا سامنے آئے تو یہ دعا پڑھو،

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ بِمَا رَزَقْتَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّى وَلَا قُوَّة۔

ایک مرتبہ ضرور پڑھ لو، اور جب کھانا کھا چکو تو پھر یہ دعا پڑھو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

تمہارے جسم میں خودکار مشین لگادی:

اور آگے بڑھیے، جب آپ نے کھانا کھایا تو اس وقت لذت لینے کی

خاطر جو سامنے آیا بس کھاتے چلے گئے، جیسے افطاری کے وقت خاص طور پر ہوتا ہے کہ کبھی پکوڑا کھایا، کبھی پھل کھایا، کبھی کباب کھایا، کبھی دھی بڑے کھالئے، جو ہاتھ آیا، کھاتے چلے گئے، کھاتے وقت آپ نے یہ نہیں سوچا کہ یہ سب کچھ پیٹ کے اندر جا کر کیا فساد مچائیں گے؟ اور اندر جا کر کیا ملغوبہ تیار ہوگا؟ اور کیا تاثیر پیدا کرے گا؟ اور پیٹ کا کیا حشر بنائے گا؟ اس کی طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیا، بس زبان کے چٹخارے کے لئے آپ کھاتے چلے گئے......کون ہے جو اس سارے ملغوبے کو جو تم نے اندر ڈال دیا ہے، اس کو چھانٹ رہا ہے؟ کہ اس میں کونسا حصہ تمہارے جسم کے لئے فائدہ مند ہے، اس کو اندر باقی رکھوں، کس جز سے خون بناؤں؟ کونسا حصہ نا کارہ ہے؟ اس کو پیشاب اور پاخانہ کی شکل میں باہر پھینک دوں، کس سے گوشت بناؤں؟ کس جز سے تمہاری ہڈیوں کو فائدہ پہنچے، کس جز سے تمہارے گوشت کو طاقت ملے، کس سے تمہاری بینائی کو قوت حاصل ہو؟ اور کس جز سے تمہاری سماعت کو قوت ملے؟ تمہارے پیٹ کے اندر چھانٹی کا ایک کاروبار چل رہا ہے، اس غذا کا تجزیہ کر کے تمہارے جسم کے ایک ایک حصے میں پھیلایا جارہا ہے اور تمہیں اس کا فائدہ پہنچایا جارہا ہے، اگر یہ عمل تمہارے سپرد کردیا جاتا کہ بھائی تم نے خود ہی کھایا، تم نے کھانے کے مزے لئے، لہٰذا اب یہ کام بھی تم ہی کرو، اور اس کے اندر چھانٹی کرو، اور یہ دیکھو کہ ان میں سے کونسے اجزاء فائدہ مند ہیں، ان کو اپنے پاس رکھو۔ اور باقی فضول اجزاء کو باہر پھینک دو۔ کیا تم میں سے کسی کے بس میں یہ عمل تھا؟ نہیں، بلکہ وہی ذات ہے جو یہ عمل کر رہی ہے، اس طرح کر رہی ہے کہ:

مانبودیم و تقاضہ ما نبود
لطفِ او نا نگفتۂ مامی شنود

نہ ہم نے کہا تھا، نہ ہمارے بس میں تھا، نہ ہم نے مطالبہ کیا تھا، لیکن وہ اپنے لطف وکرم سے یہ سب کام کر رہے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے، جو زبان کے چٹخارے کا خوگر ہے، اس کو جو ذائقہ پسند ہے، چلو کھانے دو، ہم سب اندر جا کر ٹھیک کر دیں گے۔ اب اندر جانے کے بعد اس غذا کو اس کے مناسب خانوں میں بٹھایا جاتا ہے کہ یہ حصہ جگر میں جائے گا، یہ گردے میں جائے گا۔ اس سے خون بنے گا، سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخن تک جسم کے ایک ایک حصے کو وہ غذا پہنچ رہی ہے۔

یہ شکر ادا کرنے کا موقع ہے:

جب سارے مراحل طے ہوگئے، اور اب آپ بیت الخلاء چلے گئے، اب پیٹ کے اندر جو فضلہ اور بیکار چیزیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے سب باہر نکلوا دیں۔ اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَه وَاَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ وَدَفَعَ عَنِّیْ اَذَاهُ۔

ایک پیغمبر ہی ایسے کلمات ادا کر سکتے ہیں کہ شکر اس اللہ کا جس نے مجھے اس کھانے کی لذت چکھا دی، اور اس کھانے میں جتنے قوت والے اجزاء تھے، ان کو میرے جسم کے اندر باقی رکھا، اور اس غذا کے اندر جو تکلیف دہ اور گندی چیزیں تھیں، ان کو باہر پھینک دیا۔

انسان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں:

یہ سب حقائق ہیں، کون ان حقائق کا انکار کرسکتا ہے، لیکن انسان کی آنکھوں پر پردے پڑے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان حقائق کی طرف دھیان نہیں جاتا، اس وجہ سے انسان اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے اسباب کے چکر میں پڑا رہتا ہے، ہر وقت اسباب کا دھیان رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا، اللہ کی حکمت کا تصور اور دھیان نہیں بنتا، اور جب وہ انسان اللہ والوں کی صحبت میں جاتا ہے تو وہ اعتقاد جو اس کے ذہن اور دماغ کے کسی کونے میں پڑا ہوا تھا، وہ اعتقاد ان کی صحبت سے زندہ اور پائندہ ہو جاتا ہے، اور ہر وقت وہ اعتقاد سامنے موجود رہتا ہے، وہ ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ سب کچھ نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آ جائے۔

میں کس معطی کا آلہ کار ہوں:

میں اس وقت بول رہا ہوں، لیکن اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے عین بولتے وقت بھی دماغ میں دھیان رہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں، زبان سے جو کلمات نکال رہا ہوں، اس کی کوئی حقیقت نہیں، نہ میرے اندر یہ طاقت ہے کہ میں بول سکوں، نہ میرے پاس علم ہے جو ان باتوں کا ادراک کر سکے۔ میری حیثیت تو ایسی ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم، اب دیکھنے میں بظاہر وہ قلم لکھ رہا ہے، لیکن اس قلم کی کوئی حقیقت نہیں، وہ تو بے جان ہے۔ نہ اس میں شعور ہے، نہ اس میں عقل ہے۔ نہ اس میں طاقت ہے، وہ ہاتھ لکھوانے والا اس قلم سے لکھوا رہا ہے...... ایسے ہی میرے بولنے کا معاملہ ہے، نہ میری طاقت، نہ میری قوت، نہ

میرے پاس علم، اور نہ میرے پاس ادراک، بلکہ میں کسی معطیٔ حقیقی کا آلہ کار بنا ہوں، وہ میرے دل میں باتیں ڈال رہے ہیں، اور میری زبان سے کہلوا رہے ہیں، میں تو ایک پرزہ ہوں، میری کوئی حقیقت نہیں، میری کوئی حیثیت نہیں، اللہ والوں کی صحبت میں جا کر یہ تصور بندھنے لگتا ہے اور ہر کام میں یہ تصور رہتا ہے، اور اسی کا نام ہے ''توکل'' اور اسی کا نام اللہ پر بھروسہ ہے، بزرگوں کی صحبت سے یہی چیز حاصل ہوتی ہے۔

اپنے ارادے کو فنا کرو

اگر لوگوں سے یہ کہا جائے کہ بھائی ہر کام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ ہم اس بات کو تو پہلے ہی سے مانتے ہیں، ہمارا تو اس پر اعتقاد ہے...... تو بیشک یہ اعتقاد موجود ہے، لیکن یہ اعتقاد تمہارے دماغ کے کسی کونے میں پڑا ہوا ہے، اب جب تم اللہ والوں کے پاس جاؤ گے تو اللہ والے اس اعتقاد کو تمہارے رگ و پے میں سرائیت کرا دیں گے، اور پھر ہر وقت اس اعتقاد کا دھیان مستحضر رہے گا، اب سوال یہ ہے کہ یہ حاصل کیسے ہوگا؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ یہ مشق کرنے سے حاصل ہوگا، ویسے ہی بیٹھے بیٹھے حاصل نہ ہوگا، بلکہ یہ عمل کرو کہ ''اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے کا تابع کر دو، کہ میں نے اپنی طرف سے تدبیریں اختیار تو کی ہیں، لیکن اب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور منشاء ہوگی، میں اس پر راضی ہوں، وہ اگر مجھے کوئی تکلیف بھی پہنچائیں گے تو مجھے منظور ہے، میں ان کے فیصلے پر راضی ہوں، ہاں تکلیف آنے کی صورت میں ہائے ہائے بھی کرونگا اور دعا بھی کروں گا کہ یا اللہ، اس تکلیف کو دور کر دے، لیکن پھر بھی اس کے فیصلے پر راضی رہوں گا۔

پریشانی ایسی سوچ سے ہوتی ہے

شروع شروع میں ذرا تکلف سے یہ عمل کرنا پڑے گا، لیکن رفتہ رفتہ پھر یہ اعتقاد انسان کا ''حال'' بن جاتا ہے، اور پھر ''حال'' سے آگے ''مقام'' بن جاتا ہے، اس کے بعد انسان کو جو راحت حاصل ہوتی ہے کہ اس راحت تک کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ انسان کو جتنی بے چینی، پریشانی، اور تکلیف ہوتی ہے وہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ ''ہونا یوں چاہئے تھا، لیکن یوں ہو گیا'' اس سوچ سے تکلیف ہوتی ہے، مثلاً مجھے صحت ہونی چاہئے تھی، لیکن ہوگئی بیماری، تو اب تکلیف ہو رہی ہے، یا مثلاً مجھے پیسے ملنے چاہئے تھے۔ مگر نہیں ملے، اب تکلیف ہو رہی ہے، ساری تکلیف کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ جو کام ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہوا، اور جو کام نہیں ہونا چاہئے تھا، وہ ہو گیا۔

میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا

لیکن جب تم نے ایک مرتبہ یہ اعتقاد دل میں بٹھالیا، اور اس کو اپنا ''حال'' اور ''مقام'' بنالیا کہ جو کچھ ہوا، وہی ہونا چاہئے۔ اللہ کی مشیت یہ تھی، وہی ہونا چاہئے تھا، اب کہاں کی تکلیف؟ پھر تو راحت ہی راحت ہے، جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میں تو ہر وقت آرام اور راحت میں ہوں، اس لئے کہ اس کائنات میں جو کچھ کام ہوتا ہے، وہ میری مرضی کے خلاف ہوتا ہی نہیں، اس لئے کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنالیا ہے، اس سے بڑی راحت کی چیز اور کیا ہوگی کہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا، وہی ہوا، اور جو نہیں ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہوا، پھر کیسی تکلیف؟ پھر کیسا صدمہ؟ بہرحال! راحت

حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔

گھر بیٹھے راحت حاصل کرلو

آج ساری دنیا راحت حاصل کرنے کے لئے دوڑ رہی ہے، راحت حاصل کرنی مقصود ہے، انسان یہ چاہتا ہے اس کے پاس پیسہ ہو، کوٹھیاں ہوں، بنگلے ہوں، کاریں ہوں، ساز و سامان ہو، ان سب سے مقصود کیا ہے؟ راحت حاصل کرنا، لیکن ان سب چیزوں کے مل جانے کے بعد بھی راحت حاصل نہیں ہوتی، کہیں نہ کہیں کوئی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کی خواہشات بے پناہ ہیں، اور وہ خواہشات پوری نہیں ہوتیں، لہٰذا راحت نہیں ملتی، وہ راحت نایاب ہے، لیکن جس دن تم اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی اور اللہ کی مشیت میں فنا کر دو گے کہ بس جو ہونا تھا، وہی ہوا تو بس پھر گھر بیٹھے راحت حاصل ہو جائے گی، اس کے ذریعہ راحت کی منزل ایک لمحہ میں حاصل ہو جائے گی۔

سکون ترکِ تمنا میں پالیا میں نے

ہمارے بڑے بھائی، بھائی ذکی کیفی مرحوم، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین، انہوں نے ایک بڑا خوبصورت شعر کہا تھا کہ:

سکون ترک تمنا میں پالیا میں نے
قدم رکے تھے کہ منزل کو جالیا میں نے

جب تمنٰی اور آرزوئیں ترک کر دیں کہ ارے جو کچھ اللہ تعالیٰ کریں گے، وہ درست ہوگا، تو اس سے بڑا سکون اور کیا ہوگا؟ اور اس بات کو دوسرے مصرعہ میں اس طرح تعبیر کیا کہ ''قدم رکے تھے کہ منزل کو جالیا میں نے'' یعنی جب تک

قدم آگے بڑھ رہے تھے، اور تمنائیں اور آرزوئیں کی جارہی تھیں، اور یہ کوشش جاری تھی کہ یہ تمنائیں حاصل کرلوں، اس وقت تک منزل ہاتھ میں نہیں آرہی تھی، لیکن جب اپنی تمناؤں کو روک دیا، جب اپنی تجویز کو فنا کردیا اور قدم روک لئے تو اب منزل کو جالیا میں نے، اب منزل پر پہنچ گئے، یعنی سکون اور اطمینان حاصل ہوگیا۔

مرکب کوئی بہتر نہ ملا ترک طلب سے

یہی بات میں نے بھی ایک شعر میں کہی تھی کہ

دو گام چلے تھے کہ نظر آگئی منزل
مرکب کوئی بہتر نہ ملا ترکِ طلب سے

یعنی دو قدم چلے تھے کہ منزل پر پہنچ گئے، ''طلب'' کو ترک کرنے سے بہتر کوئی سواری نہیں...... لہٰذا اگر راحت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی مرضی کو اللہ کی مشیت میں فنا کردو بس، پھر دیکھو کیا عیش ہی عیش ہو جائیں گے۔

مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ

جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، وہ ہوتا ہے، جو نہیں چاہتے نہیں ہوتا، اس کے علاوہ راحت کسی اور چیز میں نہیں، ہزار کوشش کرلو، جتنے چاہو، اسباب اختیار کرلو، راحت کے پیچھے بھاگتے رہو، یہ کبھی نہیں ملے گی، ہاں اگر راحت ملے گی تو اللہ کے اوپر تفویض اور توکل ہی سے ملے گی، اللہ کے سپرد کرو، اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

طلب میں زیادہ انہماک نہ ہو

حدیث شریف میں ہے کہ:

اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبِ وَتَوَکَّلُوۡا عَلَیۡهِ

یعنی طلب میں اجمال سے کام لو، طلب میں بھی بہت زیادہ انہماک نہیں ہونا چاہئے، بہت جزرسی نہیں ہونی چاہئے کہ انتہا درجے کے اسباب اختیار کرلو، نہیں، بلکہ سامنے سامنے کے جو اسباب واضح نظر آرہے ہیں، ان کو اختیار کرو، اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو، یہ ہے ایک مؤمن کا کام، اور یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس بات پر عمل کی توفیق ہوجائے، اور ہمارے دلوں میں یہ بات اتر جائے تو یقین جانو یہ دنیا جنت بن جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو یہ دولت عطا فرمادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفوض کامل کی پہچان

مجلس نمبر 104

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی.

تاریخ خطاب : رمضان المبارک 1422ھ

وقت خطاب : بعد نماز ظہر

اصلاحی مجالس : جلد نمبر 7

مجلس نمبر : 104

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفوض کامل کی پہچان

مجلس نمبر 104

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رسولہ الکریم، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد:

تمہید:

گزشتہ کل مختصراً "تفویض اور توکل" کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی گئی تھیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "تفویض" کے معنی ہیں کہ اپنا تمام تر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا جائے کہ جو کچھ وہ کریں گے، وہ ٹھیک ہوگا، اس کے مقابل میں ہے "تجویز" تجویز کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خود اپنی طرف سے یہ تجویز کرے کہ فلاں کام اس طرح ہونا چاہئے، اور بعد میں اگر وہ کام اس طرح نہ ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ سے شکوہ ہو کہ ایسا کیوں نہیں ہوا؟

تفویض کا مطلب:

مثلاً آپ نے ایک دوا استعمال کی، اور یہ تجویز کیا کہ اس دوا سے مجھے

ہر حال میں صحت ہونی چاہئے، چاہے کچھ ہو جائے، خدا نہ کرے اگر اس دوا سے فائدہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے شکوہ ہو جائے کہ یا اللہ: فائدہ کیوں نہیں ہوا؟ ایسی ''تجویز'' گناہ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف شکوہ ہو جائے، اور ''تفویض'' یہ ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ یا اللہ: میں ''تدبیر'' تو کر رہا ہوں، کیونکہ آپ نے تدبیر کرنے کا حکم دیا ہے، دعا بھی کر رہا ہوں کہ اے اللہ! اس تدبیر کو کامیاب بنا دیجئے۔ لیکن میں ہر اس فیصلے پر راضی ہوں، جو آپ میرے حق میں فیصلہ فرمائیں گے، یہ ہے ''تفویض''۔ اور توکل بھی اس سے ملتی جلتی چیز ہے کہ آدمی اللہ پر یہ بھروسہ رکھے کہ جو کچھ وہ کریں گے وہ میرے حق میں بہتر ہوگا، یہ توکل ہے۔ آگے حضرت والا یہ فرما رہے ہیں کہ:

مفوض کامل کون؟

> مفوّض کامل وہ ہے کہ اگر عمر بھر اس کے کان میں یہ آواز آئے کہ "اِنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ" یا یہ آواز آتی رہے کہ "اِنَّکَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ" تو کسی وقت بھی عمل میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کرے، بدستور کام میں لگا رہے، نہ پہلی آواز سے بے فکر ہو، نہ دوسری آواز سے دل برداشتہ ہو۔
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۸)

یعنی ساری عمر عمل کر رہا ہے، اور یہ آواز ساری عمر میں آ رہی ہے کہ تو جنتی ہے، جنت میں جائے گا، تب بھی یہ سوچ کر عمل میں کمی نہ کرے کہ جب جنت میں جانا ہی ہے تو عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر یہ آواز آ جائے کہ تو دوزخی ہے، دوزخ میں جائے گا، تب بھی یہ سوچ کر عمل میں کمی نہ کرے کہ دوزخ

میں جانا تو ہے، اب محنت کر کے کیا کرنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرتا رہے، اور معاملہ اللہ کے حوالے کر دے کہ یا اللہ! فیصلہ آپ کا ہے، چاہے جنت میں بھیجیں، یا جہنم میں بھیجیں، جو آپ کا فیصلہ ہوگا آپ کے سپرد کرتا ہوں،

اُفَوِّضُ اَمرِیٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

ایسا شخص مفوض کامل ہے۔

صحابہ کرام مفوض کامل تھے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھیں کہ کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ بشارت عطا فرمادی تھی کہ یہ جنتی ہیں، ان میں عشرہ مبشرہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم تو مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے جنتی ہونے کی پیشنگوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی، لیکن پھر بھی ساری عمر عمل کرتے رہے، اور اپنے عمل میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، بلکہ ساتھ میں ڈرتے بھی رہے، مثلاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن چکے ہیں کہ عمر جنتی ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے ہیں کہ خدا کے لئے مجھے یہ بتادو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی تھی، اس میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ یہ ڈر لگا ہوا ہے-- کیوں؟ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ جو فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہے، یہ میرے اس وقت کے حالات کے مطابق فرمایا ہو، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بعد میں میرے حالات میں کوئی تبدیلی واقع ہوگئی ہو۔ بہر حال! نہ صرف یہ کہ عمل کر رہے ہیں، بلکہ ڈر بھی لگا ہوا ہے۔ اسی لئے ہمارے

بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان عمل کرتا رہے اور ڈرتا رہے، عمل چھوڑے بھی نہیں، عمل کرنے میں لگا بھی رہے، لیکن ساتھ میں ڈرتا بھی رہے کہ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ عمل مقبول ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے، روزانہ کا معمول تھا، ایک مرتبہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، وضو کے لئے لوٹا اٹھایا، لوٹے میں پانی بھرا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ''نہ تیرا وضو قبول، نہ تیرا اٹھنا قبول، نہ تیری نماز قبول، نہ تیری تہجد قبول، ان بزرگ نے وہ آواز اپنے کانوں سے سنی اور لوٹا اٹھا کر وضو کیا، نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور معمول کے مطابق نماز تہجد ادا کی، اگلی رات جب نماز تہجد کے لئے اٹھے، اور تیاری شروع کی تو پھر وہی آواز آئی کہ نہ تیرا اٹھنا قبول، نہ وضو قبول، نہ نماز قبول، نہ تہجد قبول، یہ آواز سنی، پھر وضو کیا اور اطمینان سے حسب معمول نماز ادا کی، تین دن تک یہ آواز سنی، ان کے شاگرد جو ان کے ساتھ ہی خدمت کے لئے رہتے تھے، وہ بھی یہ آواز سنتے تھے۔ بالآخر شاگرد نے کہا کہ حضرت: یہ آواز روزانہ آرہی ہے کہ نہ تیری نماز قبول، نہ تیرا وضو قبول، نہ تیری تہجد قبول، کچھ بھی قبول نہیں تو پھر کیوں آپ اتنی محنت اور مشقت برداشت کر رہے ہیں کہ راتوں کو اٹھ رہے ہیں، نماز ادا کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ اگرچہ ان کی طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں۔ لیکن کوئی اور در ہو تو بتاؤ، وہاں چلا جاؤں، میرے پاس تو ایک ہی دروازہ ہے، وہ اگر کہیں گے، تب بھی وہیں جاؤں گا، لہٰذا قبول کریں تو، قبول نہ

کریں تو، میں تو وہی دروازہ کھٹکھٹاتا رہوں گا، جب یہ بات ان بزرگ نے کہی تو پھر غیب سے یہ آئی کہ

قبول است گرچہ ہنر نیست
کہ جز ماپناہ دگر نیست

اب تیرا سب کچھ قبول ہے، تیرا وضو بھی قبول، تیری نماز بھی قبول، تیرا تہجد بھی قبول، اگرچہ تیری اس نماز اور وضو میں کوئی ہنر نہیں، یعنی کوئی خاص خصوصیت نہیں، لیکن اس کے باوجود سب قبول ہے، کیونکہ ہمارے سوا تیری کوئی اور پناہ گاہ نہیں ہے۔

میرا کام حکم بجالانا ہے:

یہی بات حضرت والا اس ملفوظ میں بیان فرمارہے ہیں کہ اگر ساری عمر یہ آواز آتی رہے کہ تو جہنمی ہے، تب بھی عمل نہ چھوڑے اور اگر ساری عمر یہ آواز آتی رہے کہ تو جنتی ہے، تب بھی عمل نہ چھوڑے، کیوں؟ اس واسطے کہ میرا کام یہ ہے کہ مجھے جو حکم دیا گیا ہے، میں اس کو بجالاتا رہوں، میں کسی کا بندہ ہوں، اور بندہ ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ جو مجھ سے کہا جارہا ہے، میں وہ کئے جاؤں، جب وہ روک دیں گے تو رک جاؤں گا، لیکن جب تک کرنے کو کہا جارہا ہے تو میں کروں گا، اس لئے کہ یہ عمل جو میں کررہا ہوں، بحیثیت بندہ ہونے کے کررہا ہوں، یہ عمل ثواب اور عذاب کی شرط پر نہیں ہورہا ہے کہ پہلے اللہ میاں سے شرط لگاؤں کہ یا اللہ! اگر ثواب دیں گے تو عبادت کروں گا، ورنہ نہیں کروں گا، اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ شرط لگالی تو پھر یہ بندگی کیا ہوئی؟ بندگی تو یہ ہے کہ بندہ یہ کہدے کہ یا اللہ! آپ میرے خالق ہیں، آپ میرے مالک ہیں، لہٰذا آپ کا جو حکم ہے، وہ

مجھے ہر حالت میں بجالانا ہے۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ یہ تو آپ کا کرم ہے کہ آپ نے حکم بجالانے پر جنت کے وعدے کئے ہوئے ہیں، لیکن کیا جنت میرے عمل کا بدلہ ہے؟ کیا میرا عمل اس لائق ہے کہ اس کے بدلے جنت مل جائے؟ لہٰذا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اللہ میاں کے ساتھ شرط لگاؤں کہ اگر جنت ملے گی تو عمل کروں گا ورنہ نہیں کروں گا، اگر نہیں ملے گی تو عمل نہیں کروں گا، مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ؎

تو بندگی چوں گدایا بشرط مزد مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

کیا مزدوری کی شرط لگا کر اللہ کی بندگی کرو گے؟ اتنی مزدوری لوں گا تو تہجد پڑھوں گا، اتنی مزدوری لوں گا تو روزہ رکھوں گا، یہ کیا ہے؟ یہ تو تجارت ہوئی، بندگی نہ ہوئی، لہٰذا شرط لگا لگا کر بندگی ہرگز مت کرو۔ اس لئے کہ جس کی عبادت کر رہے ہو، اس کو خود بندہ پروری آتی ہے، وہ بندہ پروری اپنے فضل وکرم سے کرے گا۔

لہٰذا اگر یہ آواز آ جائے کہ تو جہنمی ہے، جہنم میں جائے گا، تب بھی عمل نہیں چھوڑنا، کیونکہ بندہ اسی کا ہے، کسی اور کا تو نہیں ہے، اور جب اسی کا بندہ ہے تو اس کی بندگی کرنی ہے، اور اگر یہ آواز آ جائے تو جنت میں جائے گا، تب تو خیر بطریق اولیٰ اس کی بندگی کرے گا، ایک وجہ تو یہ ہے۔

کشف، الہام، خواب حجت نہیں

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آواز کا آنا ہماری شریعت میں کوئی حجت نہیں،

اسی طرح اگر کسی شخص کو کشف یا الہام ہو تو شریعت میں کوئی حجت نہیں، ایسا الہام جو شرعاً حجت ہو، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہو گیا، انبیاء کرام پر جو وحی آتی ہے وہ حجت ہوتی ہے، اور الہام اور وحی میں یہی فرق ہے کہ وحی حجت ہوتی ہے اور الہام حجت نہیں ہوتا، اسی طرح کشف بھی حجت نہیں ہوتا۔ آج کل اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار لوگوں میں یہ وبا چل پڑی ہے کہ انہوں نے کشف، الہام اور خواب کو حجت سمجھنا شروع کر دیا ہے، کہ ہم نے فلاں خواب دیکھا تھا، اب اس خواب کی بنیاد پر وہ کام کر لیا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک صاحب دیندار حلقے کے ایک بڑے سربراہ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ جہاں ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ وہ کہتے کہ میں ذرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں، پھر بتاتا ہوں، استغفر اللہ، فوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس طرح پوچھتے تھے؟ اگر اس کو کشف اور الہام بھی کہا جائے تو بھی اس کا یہ کہنا کہ میں ہر کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر کرتا ہوں، اور لوگوں کے سامنے اس کا اعلان کرنا، اور اس کو حجت سمجھنا، یہ سب فتنہ ہے۔

مریدین اڑاتے ہیں

جب ہم قندھار گئے تھے اور وہاں ملا عمر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ بے شمار لوگوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ انہوں نے آپ سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں تو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ جنگ بند کریں، اور صلح کر لیں۔ ہم آپ کی بات مانیں، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں؟ ہمیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ خواب میں یہ فرمایا کہ تم آگے بڑھو اور مقابلہ

کرو، چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمادیا ہے، لہٰذا ہم آپ کی بات مانیں، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں؟...... اب اس بارے میں بے شمار لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ایسی باتیں ان سے ہوئی تھیں؟ حالانکہ ان باتوں کا کوئی ذکر فکر نہیں ہوا، نہ انہوں نے مجھ سے ایسی کوئی بات کی۔ بات وہی ہے کہ

پیراں نمی پرند، مریداں می پرانند

یعنی پیر نہیں اڑتے، بلکہ ان کے مریدین اڑاتے ہیں۔

شیطانی الہام:

بہرحال! ہماری قوم کی حالت عجیب و غریب ہوگئی ہے کہ کشف و کرامت میں اور خوابوں میں بڑی دلچسپی لینے لگی ہے، حالانکہ شریعت نے کشف و کرامت اور خواب میں سے کسی کو بھی حجت نہیں بنایا۔ چاہے کتنی ہی مرتبہ خواب آئے، کتنی ہی مرتبہ کشف ہو، کتنی ہی مرتبہ الہام ہو، لیکن شرعی اعتبار سے وہ کوئی دلیل نہیں، بلکہ بعض اوقات آدمی کو دھوکہ ہو جاتا ہے، آدمی یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ مجھے کشف ہو رہا ہے، مجھے الہام ہو رہا ہے، جبکہ حقیقت میں شیطانی الہام ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، اور اولیاء کرام کے بارے میں جو قصے لوگوں میں مشہور ہو جاتے ہیں، وہ بھی بعض بے سروپا ہوتے ہیں، اور ان کی سند وغیرہ نہیں ہوتی، لیکن

بعض واقعات وہ ہیں جو مستند طریقے سے ثابت ہیں، شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ علیہ بڑے مستند بزرگ ہیں، یہ جس طرح صوفی اور ولی اللہ ہیں۔ اسی طرح یہ بڑے عالم بھی ہیں اور عالم شریعت کے بھی بڑے امام ہیں۔ اس لئے یہ کوئی کچی بات نہیں کہتے، بلکہ مستند اور پکی بات کہتے ہیں۔ بہرحال! یہ اپنی کتاب ''المیزان الکبری'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک ایک نور چمکا، اور اس نور میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر، تو نے ہماری عبادت کا حق ادا کر دیا، اس لئے حق ادا کرنے کے صلہ میں ہم تمہیں یہ انعام دیتے ہیں کہ اب تیرے اوپر نماز فرض نہیں، روزے بھی فرض نہیں، اور جتنے فرائض ہیں، وہ سب تمہارے اوپر سے ساقط کرتے ہیں۔ گویا کہ عبادت کی قبولیت کا اعلان اور آئندہ کے لئے تمام فرائض شرعیہ سے چھٹی دیدی گئی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ دور ہو جا کمبخت، مجھے دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کبھی فرائض معاف کئے نہیں، آپ سے زیادہ کون عبادت کر سکتا ہے، آپ سے زیادہ کون بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ سے تو فرائض معاف کئے نہیں، مجھ سے کیسے معاف کر دیں گے؟ مجھے دھوکہ دیتا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے۔ چنانچہ وہ نور ایک دم سے غائب ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک نور چمکا اور اس نور میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر! آج تجھے تیرے علم نے بچا لیا، ورنہ یہ وہ داؤ ہے جس کے ذریعہ میں نے بے شمار لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا، شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ نے جب یہ آواز سنی تو فرمایا: کمبخت، دوبارہ مجھے دھوکہ

دیتا ہے کہ میرے علم نے مجھے بچالیا، ارے میرا علم کیا بچاتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس نے مجھے بچالیا۔

دوسرا وار زیادہ سخت تھا:

علماء کرام نے فرمایا کہ یہ دوسرا وار زیادہ خطرناک تھا، اس لئے پہلا وار تو ایسا تھا کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ نمازیں معاف نہیں ہوسکتیں، اور دوسرے وار میں ان کو علم کے گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا کرنا مقصود تھا کہ دیکھو، آج تمہارا علم تھا، جس نے تمہیں بچالیا، تو اس علم پر بھروسہ، اس پر ناز، اس پر فخر، اور تکبر میں مبتلا کرنا تھا، اس لئے یہ بڑا خطرناک داؤ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کو فہم عطا فرمائی، اور اس داؤ کو سمجھ گئے اور اس کو دھتکار دیا۔

یہ چیزیں حجت نہیں:

بہرحال! یہ آوازیں، یہ خواب، یہ روشنیاں، یہ رنگ، یہ مختلف نظارے جو نظر آتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز حجت نہیں، اور عافیت کا راستہ یہ ہے کہ اس فکر ہی میں مت پڑو۔ بہت سے لوگ مجھے اپنے اصلاحی خطوں کے اندر اپنے خواب لکھتے رہتے ہیں، میں نے ان کو منع کردیا کہ خبردار، آئندہ مجھے خواب لکھ کر مت بھیجنا، اس لئے کہ رفتہ رفتہ یہ ہوگا کہ یہ کوئی بڑی فضیلت کی چیز ہے، جو ہمیں حاصل ہورہی ہے، ہر روز ایک نیا خواب آتا ہے، اور اس میں کوئی نہ کوئی بشارت ہوتی ہے، رفتہ رفتہ اس کے نتیجے میں آدمی غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔

مجنون کو بھی کشف ہو جاتا ہے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کشف ہونے کے لئے ایمان بھی شرط نہیں۔ کافر کو بھی کشف ہو جاتا ہے اور کشف کے لئے عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں، مجنون کو بھی صحیح کشف ہو جاتا ہے، اور یہ میرا خود ذاتی تجربہ ہے، میری ایک ہمشیرہ تھیں، ان کو کچھ ذہنی تکلیف ہو گئی تھی، اور جس کے نتیجے میں نفسیاتی بیمار ہو گئی تھیں، اس حالت میں وہ ہوش میں نہیں تھیں، اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی تھیں۔ جس وقت میں اپنے گھر سے ان کی عیادت کے لئے نکلتا تو وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بتا دیتی تھیں کہ ''تقی'' میرے پاس آنے کے لئے گھر سے نکلا ہے، اب دیکھئے کہ ان کو کشف ہو رہا تھا، اور صحیح کشف ہو رہا تھا، اس سے پتہ چلا مجنون کو بھی کشف صحیح ہو جاتا ہے، اس لئے کہ کشف تقرب کی علامت نہیں اور اگر کسی کو کشف نہیں ہوتا تو یہ کوئی نقص بھی نہیں۔ اگر ساری عمر کوئی بھی کشف نہ ہو تو اس کی دینداری میں، اس کے تدین میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، لہٰذا جب یہ بات ہے تو اس کے پیچھے پڑنے اور اس کو حاصل کرنے کی حاجت نہیں۔ بلکہ اس کشف وکرامت کے راستے میں پڑنے سے آدمی کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، جب تک کسی شیخ کی رہنمائی نہ ہو، آدمی اس کے نتیجے میں گمراہ ہو جاتا ہے۔

کشف میں کسب کو بھی دخل ہے:

میرے والد ماجد صاحب رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ''کشف'' اصلاً تو وہبی ہے، لیکن اس کے اندر کسب کو بھی کچھ دخل ہے، پھر خود فرمانے لگے کہ

ایک دن میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت: الحمدللہ آپ کی تربیت اور تعلیم کی برکت سے کشف و کرامت کی حقیقت تو بالکل واضح ہوچکی ہے کہ یہ نہ کوئی حجت ہیں، نہ یہ مطلوب ہیں اور نہ ان کے پیچھے پڑنا چاہئے، لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ اس وادی کی بھی کچھ سیر کرلیں۔ پہلے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارے بھائی چھوڑو، اس میں کیا رکھا ہے، پھر فرمایا کہ اگر تمہارا دل سیر کرنے کو چاہتا ہے، تو تمہیں بتادیتے ہیں، چنانچہ حضرت والا نے ایک طریقہ بتایا، میں نے اس طریقے کو استعمال کیا تو مجھے عجیب وغریب مناظر نظر آئے اور میں نے اس میں گاندھی کا کٹا ہوا سر دیکھا۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب گاندھی کا طوطی بول رہا تھا، اس کے علاوہ اور بہت کچھ دیکھا۔ جب صبح حضرت والا سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ ہاں! بھائی سیر کرلی؟ اب اس کو چھوڑ دو، اور آئندہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ مت ہونا۔

کشف معیار فضیلت نہیں:

بہرحال! جتنا وقت آدمی کشف حاصل کرنے کی مشق میں خرچ کرے گا، اگر اتنا وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگائے تو اس کو کتنا فائدہ پہنچے گا، اور اگر اس کام میں وقت صرف کرے گا تو کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا یہ کشف و کرامت نہ معیار فضیلت ہے، اور نہ یہ حجت ہے، نہ یہ مطلوب ہے، نہ یہ مقصود ہے، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو عطا فرمادے تو یہ نعمت ہے، اگر کسی کو یہ حاصل نہیں ہے تو اس کے لئے کوئی نقص کی بات نہیں۔

اس کا نام تفویض کامل ہے:

لہٰذا جب یہ بات ہے تو اگر تمہیں عبادت کے دوران یہ آواز آ جائے کہ تو جنّتی ہے، تو کیا اس آواز کے نتیجے میں جنتی ہونے کی گارنٹی مل گئی؟ نہیں، اس لئے کہ یہ آواز کوئی حجت نہیں۔ اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ یہ آواز کہاں سے آئی، اسی طرح اگر یہ آواز آ جائے تو دوزخی ہے تو بھی کوئی حجت نہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ سوچو اللہ اور اللہ کے رسول صلی علیہ وسلم کی طرف سے جو حکم آ جائے، میں اس حکم کی تعمیل کروں، اور سنت کی اتباع کروں، بس، اس سے آگے کا میں مکلّف نہیں۔ اور جب میں اللہ کے حکم کی اتباع کر رہا ہوں تو اس کے بعد میرا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، "اُفَوِّضُ اَمرِیْ اِلَی اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِالعِبَادِ" وہ جو فیصلہ کریں گے، وہ فیصلہ میرے لئے برحق ہوگا اور میں اس فیصلے پر مکمل طور پر راضی ہوں، یہ ہے "تفویض کامل"

یہ خیال غلط ہے:

ابھی میں نے جو بات کہی تھی کہ اللہ کی عبادت بندگی کی وجہ سے کرو، ثواب کی شرط پر نہ کرو، اس لئے کہ:

ہزار نکتۂ باریک ز مو این جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

لیکن اس بات کے نتیجے میں کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے، کیونکہ بعض اس نکتۂ کو غلط سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے، چنانچہ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں جنت نہیں چاہئے۔ یا یہ کہہ دیا کہ ہمیں تو جنت کی خواہش اور دعا بھی نہیں کرنی

چاہیئے، اس لئے کہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں، ہمیں جنت مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو بندہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت کریں گے، یاد رکھئے، یہ خیال بھی غلط ہے۔

جنت سے استغناء غلط ہے:

یعنی ایک طرف تو بندگی کی شرط کے طور پر جنت کا مطالبہ کرنا کہ اگر جنت دو گے تو بندگی کروں گا، ورنہ نہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس کے برخلاف جنت سے استغناء، یا جنت مانگنے سے استغفناء برتنا، یہ بھی غلط ہے۔ جیسا کہ غالب کا بیہودہ شعر مشہور ہے کہ:

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

یعنی طاعت کے اندر یہ شائبہ نہ رہے کہ میں یہ عبادت اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے جنت ملے گی، اور جنت کی نعمتیں ملیں گی، جنت کے محلات ملیں گے وغیرہ، اس لئے اس بہشت کو دوزخ میں ڈال دو، اس لئے کہ یہ بہشت میری طاعت کو جنت کی نعمتوں کی لالچ کے ساتھ ملوث کر رہی ہے، اور میں جنت کی لالچ کے ساتھ عبادت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ہے اس شعر کا مطلب۔

ہم جنت کے محتاج ہیں:

لیکن یہ بالکل بیہودہ شعر ہے، اس لئے کہ اگرچہ جنت کی شرط پر بندگی کرنا اور عبادت کرنا تو ٹھیک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جنت سے بے نیازی بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ ہم جنت کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت مانگنی ہے کہ یا

اللہ ہمیں جنت دیدے۔ اس وجہ سے نہیں کہ میں آپ کی بندگی کرتا ہوں، بلکہ اس وجہ سے کہ میں آپ کا بندہ ہوں، اور آپ میرے آقا ہیں، میرے مولیٰ ہیں، آپ میرے داتا ہیں، لہٰذا آپ تو مجھ پر کرم ہی فرمایئے، اور مجھے جنت دیدیجئے۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک بزرگ کا جو واقعہ مشہور ہے، اس کو بھی بعض لوگ حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے جب ان کے مرنے کا وقت آیا تو ان کو جنت کی نعمتیں دکھائی گئیں کہ تمہارے لئے جنت میں یہ باغات ہیں، یہ محلات ہیں، جنت کے مناظر ان کے سامنے پیش کئے گئے، اور ان سے کہا گیا اب تم یہاں آنے والے ہو، ان بزرگ نے جنت کے مناظر سے منہ موڑ لیا، اور دوسری طرف کروٹ لے لی، اور یہ شعر پڑھا کہ:

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِی بِالْحُبِّ عِنْدَکُمْ
مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

کہ اگر میری محبت کا درجہ آپ کے نزدیک یہی جنت تھی تو میں نے پھر اپنی ساری زندگی ضائع کردی، اس لئے کہ میری محبت جو آپ کے ساتھ تھی، وہ اس جنت کی خاطر نہیں تھی۔ اس واقعہ سے لوگ استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو، ان بزرگ نے کتنا اچھا کام کیا کہ جنت کو بھی ٹھکرا دیا کہ میری محبت تو خالص محبت تھی، اس میں جنت کی لالچ کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

یہ طرز عمل قابل تقلید نہیں:

خوب سمجھ لیں کہ ان بزرگ نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ قابل تقلید نہیں،

کیونکہ غلبہء حال میں ان سے یہ عمل سرزد ہوا، اور ''غلبۂ حال'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص کیفیت کا ان پر ایسا غلبۂ ہو جاتا ہے کہ وہ اس میں ایک طرح سے معذور ہو جاتے ہیں اور بزرگوں سے جو کام غلبۂ حال میں صادر ہوتے ہیں، وہ قابل تقلید نہیں ہوتے، اس لئے ان کی تقلید کی تمہیں اجازت نہیں ہوگی کہ تم بھی جنت سے منہ موڑ لو، اور جنت سے بے نیاز ہو جاؤ، اس لئے کہ ہم سے اور آپ سے جو بات مطلوب ہے، وہ اتباع سنت ہے، اور اس کائنات میں اتباع سنت سے کوئی اونچا درجہ پیدا نہیں ہوا، بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا صوفی، بڑے سے بڑا بزرگ اتباع سنت سے آگے کا کوئی درجہ لا نہیں سکتا، اور اتباع سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز مانگی ہے، تم بھی مانگو، آپ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ رِضَاكَ وَالۡجَنَّةَ

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضا مندی بھی چاہتا ہوں،
اور جنت بھی چاہتا ہوں۔

سنت کا مقام بلند ہے:

یہی مقام بلند ہے، کیونکہ یہ عبدیت کاملہ کا مقام ہے، وہ مقام بلند نہیں ہے، جس میں جنت سے استغنائیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ زیادہ اونچی بات ہے، لیکن حقیقت میں وہ کوئی اونچی بات نہیں، اونچی بات وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو، وہ یہ کہ اے اللہ! میں آپ سے جنت طلب کرتا ہوں، ایک اور دعا میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِمَنِّكَ وَ كَرَمِكَ

اے اللہ! اپنے احسان اور کرم کے ذریعہ مجھے جنت میں داخلہ نصیب فرمایا۔

لہٰذا جو لوگ جنت سے بے نیازی برتتے ہیں، وہ غلبۂ حال ہے، قابل تقلید نہیں، بندے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے۔

فقیر بن کر جنت مانگو:

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے جنت ضرور مانگے، لیکن اپنے عمل کی مزدوری کے طور پر نہیں۔ بلکہ اپنے مالک کو کریم آقا، رحمٰن، اور رحیم سمجھ کر مانگے، ایک ہوتا ہے مزدور، جب وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ لاؤ پیسے؟ اس لئے کہ میں نے جو کام کیا تھا، اس کا تقاضہ ہی یہ تھا، لہٰذا اگر تم پیسے دو گے تو یہ تمہارا کوئی احسان نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں نے کام کیا، لہٰذا تم پیسے لاؤ۔ اور ایک ہوتا ہے بھکاری، وہ بھی پیسے مانگتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ میرا حق تو تمہارے اوپر کچھ نہیں ہے، لیکن میں ضرورت مند ہوں، مجھ پر احسان کرتے ہوئے مجھے کچھ دیدو۔ تو دونوں کے مانگنے میں فرق ہوا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جنت کو کام کی مزدوری کے طور پر مت مانگو، بلکہ فقیر بن کر مانگو کہ یا اللہ! میرا حق تو آپ کے اوپر کوئی نہیں آتا، لیکن اپنے فضل وکرم سے مجھے جنت دیدیجئے۔ میں اس کا محتاج ہوں۔ لہٰذا نہ تو یہ بات درست ہے کہ اس جنت کو اپنے عمل کی مزدوری سمجھو، اور نہ یہ بات درست ہے کہ اس جنت سے

آدمی استغناء برتے، اور بے نیازی برتے کہ مجھے جنت نہیں چاہئے۔

نذر ماننا پسندیدہ نہیں

لوگوں میں نذر ماننے اور منت ماننے کا رواج ہے مثلاً میرا بیٹا اچھا ہو گیا تو میں اتنی رکعت نفل پڑھوں گا، میں اگر امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اتنے روزے رکھوں گا، میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے روپے صدقہ کروں گا، یا حج کروں گا، یا عمرہ کروں گا، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ نذر مت مانو۔ اس سے منع کیوں فرمایا؟ مجھے ایسا لگتا ہے (واللہ سبحانہٗ اعلم) کہ منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نذر ماننا اللہ تعالیٰ سے سودہ بازی کرنا ہے کہ اللہ میاں آپ میرا یہ کام کردیں، میں آپ کا یہ کام کردوں گا، اور دوسری طرف یہ بات ہو رہی ہے کہ اے اللہ، آپ مجھے فائدہ پہنچا دیں، میں آپ کو فائدہ پہنچا دوں گا، اور اس کے نتیجے میں وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں جو عبادت کروں گا، اس سے اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہوگا۔ اس لئے نذر کا معاملہ اللہ جل شانہٗ کے شایان شان نہیں۔ اور بندے کا یہ کام نہیں، البتہ اگر کوئی نذر مان لے گا تو وہ نذر درست ہو جائے گی، اور وہ عبادت اس کے ذمے لازم ہو جائے گی، لیکن یہ نذر ماننا پسندیدہ نہیں۔

کنجوس سے پیسے نکلوانے کا ذریعہ

ایک حدیث میں نذر کے بارے میں ایک جملہ یہ آتا ہے کہ:

اِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ

البتہ کنجوس آدمی سے پیسے نکلوانے کا ایک ذریعہ ہے۔ یعنی آدمی ایسا کنجوس تھا کہ کسی اور صورت میں تو پیسے خرچ نہ کرتا، اب اس کے دماغ میں یہ بات آ گئی کہ

میں اگر نذر مان لوں گا تو میرا یہ کام بن جائے گا، تو اس طرح اللہ میاں کنجوس سے مال نکلوا کر غریب تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایک معنی تو اس جملے کے یہ ہوئے، اس جملے کے اندر دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے کہ شاید یہ مراد ہو، وہ یہ کہ تم جو یہ نذر مان رہے ہو کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے گا تو فلاں عبادت کروں گا، یہ طریقہ تو کسی بخیل سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ کوئی بخیل آدمی ہو تو اس سے کہو کہ تم مجھے اتنے پیسے دیدو، تو کنجوس ہونے کی وجہ سے وہ پیسے نہیں دے گا، لہٰذا تم اس کو لالچ دیتے ہو کہ میں تمہارا فلاں کام کر دوں گا، تم مجھے اتنے پیسے دیدو۔ لہٰذا یہ نذر ماننا تو کسی بخیل سے مال نکلوانے کا طریقہ ہے۔

جنت کی شرط پر عبادت مت کرو:

یہاں یہ دیکھو کہ تم کس سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہو؟ تم کس سے مانگ رہے ہو؟ کیا اس ذات کو تم لالچ دو گے کہ مجھے فلاں چیز دیدیجئے تو میں آپ کے لئے فلاں عبادت انجام دوں گا، ہاں! بغیر شرط کے ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اس سے ہم رزق بھی مانگیں گے، اس سے ہم صحت بھی مانگیں گے، اس سے ہم خوشحالی بھی مانگیں گے، اس سے ہم جنت بھی مانگیں گے، لیکن ہم یہ سب چیزیں فقیر کی طرح مانگیں گے، نہ کہ مزدور کی طرح۔ بس یہ مثال یاد رکھو کہ مزدور کی طرح مانگنا درست نہیں، فقیر کی طرح مانگنا چاہئے کہ یا اللہ ہمارا حق تو آپ پر کوئی نہیں آتا، لیکن آپ اپنے فضل و کرم سے عطا فرما دیجئے اور اس طرح مانگنا ''تفویض'' کے خلاف نہیں۔

یہ وضاحت میں نے اس لئے کر دی کہ جو شروع میں بات کہی تھی کہ جو

کچھ عبادت کرو، وہ جنت کی شرط پر مت کرو، بلکہ بندگی کی وجہ سے کرو۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ، فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَئَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ

(سورۃ الحج: آیت ۱۱)

یعنی بعض لوگ وہ ہیں جو کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یعنی عبادت کرنے کے نتیجے میں اگر دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو گیا تو مطمئن ہو گیا کہ یہ عبادت موافق آ گئی ہے، اور اس سے ہمارے کاروبار میں ترقی ہوئی، اور اس سے ہمارے پیسوں میں اضافہ ہوا، اس سے ہماری صحت اچھی ہو گئی، اس سے ہماری اولاد بہتر ہوئی۔ لہٰذا بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر کبھی آزمائش آ گئی تو عبادت کو چھوڑ کر واپس بھاگ جاتا ہے کہ یہ نماز مجھے موافق نہیں آئی۔

ایک لطیفہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب ایک مرتبہ ایک گاؤں میں چلے گئے، وہاں جا کر گاؤں والوں کو نصیحت کی کہ تم مسلمان ہو، پھر بھی نماز نہیں پڑھتے، وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ گاؤں والوں نے پوچھا کہ ہمیں نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ مولوی صاحب نے سوچا کہ اگر میں ان کو جنت کے بارے میں بتاؤں گا تو یہ لوگ نہیں سمجھیں گے، اس لئے مولوی صاحب نے کہا کہ نماز پڑھنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ برکت دیں گے۔

انہوں نے پوچھا کہ برکت کیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ تمہارے کاروبار میں برکت ہوگی، تمہارے مال میں برکت ہوگی، اور خوشحالی حاصل ہوگی۔ چنانچہ گاؤں والوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور نماز شروع کردی۔ جب نماز شروع کی تو ایک دیہاتی کی ایک بھینس مرگئی، اس نے جاکر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ نے تو کہا کہ برکت ہوگی، یہاں تو نماز پڑھنے سے میری بھینس مرگئی، مولوی صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے، گھبراؤ نہیں اور نماز مت چھوڑنا، چنانچہ وہ نماز پڑھتا رہا، اگلے دن اس کی گائے مرگئی، اب پھر مولوی صاحب کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے پھر اطمینان دلاکر رخصت کردیا، اس دیہاتی کے پاس ایک بکری بھی تھی، اگلے دن وہ میں میں کرنے لگی تو اس دیہاتی نے اس بکری سے کہا کہ خاموش ہوجا، ورنہ ابھی میں وضو کے لئے لوٹا اٹھاتا ہوں۔ اور ان دیہاتیوں نے کہا کہ یہ مولوی دھوکے باز ہے، اس کی بات نہ مانو۔ چنانچہ انہوں نے نماز چھوڑ دی اور پھر جب کسی کو دھمکی دینی ہوتی تو وہ کہتا کہ تو میرا یہ کام کرتا ہے یا نہیں؟ ورنہ اٹھاؤں لوٹا؟ پڑھوں نماز؟..........

بہر حال! ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایک کنارے پر کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اگر اس عبادت کے ذریعہ کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ گیا، تب تو ٹھیک ہے، نماز بڑی اچھی ہے، اور اگر کوئی فتنہ اور آزمائش آ گئی تو الٹے پاؤں واپس ہوگیا۔ العیاذ باللہ۔ فرمایا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں خسارے میں ہیں، اس لئے کہ وہ بندگی دنیا کے فائدے کے لئے کر رہا ہے، یہ کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ بندگی خالص اللہ کیلئے کرو۔

قرآنی آیات اور دنیاوی مقاصد:

اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ آج کل لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ قرض کی ادائیگی کے لئے کونسی سورت پڑھوں؟ اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے کونسی آیت پڑھوں؟ اور فقر و فاقہ دور کرنے کے لئے کونسی آیت پڑھوں؟ اور صحت حاصل کرنے کے لئے کونسی آیت پڑھوں؟ اور عام طور پر اس کو روحانی علاج کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کو روحانی علاج کہنا بالکل غلط ہے، اور اگر کوئی مولوی صاحب ان مقاصد کے لئے کوئی وظیفہ نہ بتائے تو کہتے ہیں کہ اس کو کچھ نہیں آتا، کیونکہ ان کے نزدیک اصل علم یہ ہے کہ مولوی صاحب کو تعویذ گنڈے کرنا آتا ہو، اور اس کو عملیات آتے ہوں اور وہ یہ بتا سکے کہ کونسی سورت کا اور کونسی آیت کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور ہر سورت کا فائدہ ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے ''اعمال قرآنی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں یہ لکھا ہے کہ کس آیت سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

تلاوت کا ثواب نہیں ملیگا

لیکن خوب سمجھ لو کہ قرآن کریم کی جو آیت بھی کسی دنیاوی مقصد کے لئے پڑھی جائے گی اس آیت کے پڑھنے سے تلاوت کا ثواب نہیں ملتا، لہذا یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرآن کریم کے ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، یہ نیکیاں اس نیت سے پڑھنے پر نہیں ملیں گی، کیوں؟ اس لئے کہ تم قرآن کریم کی تلاوت اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر نہیں کر رہے ہو، بلکہ تم ایک ذاتی اور دنیاوی مقصد کے لئے تلاوت کر رہے ہو، اگرچہ اس طرح تلاوت جائز ہے،

گناہ نہیں، لیکن اس پر تلاوت کرنے کا ثواب نہیں ملے گا، عبادت تو وہ ہے جس کے پیچھے کوئی دنیاوی مقصد نہ ہو، بلکہ عبادت تو محض اس لئے ہو کہ اس کی بندگی کروں، اس کے آگے سر جھکاؤں، تب تو وہ عبادت معتبر ہے، اور دنیاوی مفاد کے لئے عبادت کرنا اخلاص کے خلاف ہے، یہ عبادت نہیں، بلکہ یہ تو سودہ بازی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخردعوانا ان الحمد لِلّٰہِ ربِّ العالمین

✿✿✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (القرآن)

آج کس کی بادشاہت ہے؟......

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (القرآن)

"اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے"

صدق اللہ العظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفویض کی حقیقت

مجلس نمبر 105

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
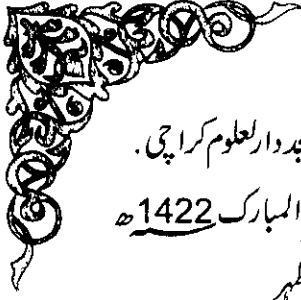
مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی۔

تاریخ خطاب : رمضان المبارک 1422ھ

وقت خطاب : بعد نماز ظہر

اصلاحی مجالس : جلد نمبر 7

مجلس نمبر : 105

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

memonip@hotmail.com
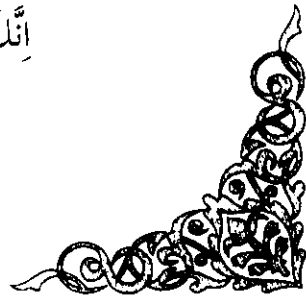
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفویض کی حقیقت

مجلس نمبر 105

الحمدللہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رسولہ الکریم، وعلی آلہ وأصحابہٖ اجمعین۔ امابعد:

تمہید

گزشتہ کئی سالوں سے رمضان المبارک میں یہ معمول ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے ملفوظات کا یہ مجموعہ ''انفاسِ عیسیٰ'' پڑھا کرتے ہیں اور اس کی جو تشریح اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں، وہ عرض کر دیتا ہوں۔ آج سے یہ سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔

مگر پہلے دو باتیں سمجھ لیں، ایک یہ کہ مجھے رمضان المبارک میں حرمین شریفین کا ایک سفر درپیش ہوا کرتا ہے، شاید اسی ہفتہ میں کسی دن جانا ہو جائے، اس سفر کے دوران یہ سلسلہ موقوف رہے گا۔

کسی دن ناغہ ہوسکتا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے اور اس کا

اعلاج کیا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں فلاں آدمی بیان کیا کرے گا تو سارے مجمع میں صرف ایک آدمی ہوتا ہے جو اس اعلان کے بعد پابند ہو جاتا ہے، مثلاً جب میں نے کہہ دیا کہ ظہر کی نماز کے بعد بیان ہوگا تو آپ میں سے کوئی شخص آنے کا پابند نہیں، چاہیں آئیں، چاہیں نہ آئیں، مرضی کے مالک ہیں، نہ آنے کی صورت میں اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں، لیکن ایک آدمی آنے کا پابند ہے، اس کو ہر حال میں آنا ہے، اور نہ آنے کی صورت میں پہلے سے اطلاع کرنی ہوگی، اطلاع نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کو شکایت ہوگی کہ ہم تو اتنی دور سے آئے تھے، لیکن وہ نہیں آیا۔ یہ اس لئے بتا دیا کہ میں آپ سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جب اعلان کر دیا تو الحمدللہ اس کی کوشش کرتا ہوں کہ پابندی کروں، لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ کسی سابق اطلاع کے بغیر بھی غیر حاضری کرنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے میں آپ حضرات سے پیشگی معذرت لینا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی اچانک بغیر اطلاع کے غیر حاضری ہو جائے تو آپ حضرات اس کو بعید نہ سمجھیں، کیونکہ پورے مہینہ کے لئے پابند ہونا بعض اوقات ناقابل عمل ہوسکتا ہے، کیونکہ بعض اوقات مجھے اچانک کہیں جانا پڑ جاتا ہے، لہٰذا جو حضرات دور سے تشریف لاتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات رہے کہ کبھی ناغہ بھی ہوسکتا ہے۔

اپنے اندر طلب اور پیاس پیدا کرو:

دوسرے یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اپنی آمد کو اور آنے کی مشقت اٹھانے کو بیکار نہ سمجھیں، انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ آنے کی برکت سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ فائدہ کوئی آدمی

دوسرے کونہیں دے سکتا، میرے بس میں کیا ہے جو میں کسی کو فائدہ پہنچادوں، فائدہ پہنچانے والا تو کوئی اور ہی ہے، عطا کرنے والا تو وہ ہے، وہ جب چاہتا ہے کسی کو عطا فرما دیتا ہے، لہٰذا جب کسی بندے میں خالص طلب صادق ہو تو ان کی سنت یہ ہے کہ ضرور عطا فرمادیتے ہیں، مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ فماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست

تا بجوشد آب از بالا و پست

یعنی پانی کم تلاش کرو، پیاس زیادہ پیدا کرو، پھر دیکھو گے کہ اوپر نیچے ہر طرف سے پانی اُبلے گا، لہٰذا اگر طلب صادق ہے اور تشنگی موجود ہے تو اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے کرم فرما ہی دیتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ انشاء اللہ کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔

تصوف کی حقیقت:

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ ''انفاس عیسیٰ'' جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، یہ تصوف سے متعلق ہے، تصوف کے حقائق، دقائق اور معارف حضرت والا نے اس میں بیان فرمائے ہیں، تصوف کے بارے میں لوگوں نے خدا جانے کیا کیا تصورات اپنے ذہن میں قائم کئے ہوئے ہیں، تصوف کی حقیقت اگر دیکھو تو وہ ''تزکیہ'' ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں جن چیزوں کو بیان کیا گیا ہے، وہ یہی ''تزکیہ'' ہے، یعنی اخلاق کو پاک صاف کردینا، گویا کہ ''تصوف'' نام ہے اخلاق کو پاک صاف کرنے کا۔

سارے تصوف کا خلاصہ:

اخلاق کیا ہیں؟ ''اخلاق'' دل کے اندر پیدا ہونے والی صفاتِ باطنی میں کچھ صفات ایسی ہیں جو حاصل کرنے کی ہیں۔ جن کا حاصل کرنا ہر بندے کے لئے ضروری ہے، مثلاً شکر کے موقع پر شکر کرنا ضروری ہے، صبر کے موقع پر صبر کرنا ضروری ہے، تواضع اختیار کرنا ضروری ہے، اخلاص اختیار کرنا ضروری ہے، یہ سب دل کے اعمال ہیں، ان کا حاصل کرنا ضروری ہے، ان کو ''اخلاقِ فاضلہ'' اور ''اخلاقِ حسنہ'' اور فضائل کہا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف بعض صفات باطنی وہ ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے، مثلاً تکبر سے بچنا ضروری ہے، ریاکاری سے بچنا ضروری ہے، حسد سے بچنا ضروری ہے، بغض سے بچنا ضروری ہے، یہ سب صفات حرام ہیں۔ ان کو ''احلاق رذیلہ'' اخلاق سیئہ اور ''رذائل'' کہا جاتا ہے، فضائل کا حصول اور رذائل سے اجتناب کرنا، بس یہ سارے تصوف کا خلاصہ ہے۔

شیخ سے تعلق کا مقصد:

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی پیر صاحب کے پاس جائیں گے اور وہ پھر ہمیں کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتائیں گے، وہ وظیفہ پڑھتے رہیں گے، اس کے نتیجے میں اچھے خواب آنے لگیں گے، اس کے بعد کشف ہونے لگیں گے، اور الہام ہونے لگے گا۔ حالانکہ ان سب چیزوں کا تصوف کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں، اصل چیز یہ ہے کہ اچھے اخلاق پیدا ہوجائیں اور برے اخلاق دور ہوجائیں۔ اور کسی پیر کے پاس جانے کا مقصد بھی یہ ہے کہ وہ اچھے اخلاق حاصل کرنے کی مشق کرائے اور برے اخلاق سے بچنے کی مشق

کرائے، اور ساری باتیں تو اس عمل کے لئے مدد اور معاون ہیں۔ مثلاً پیر صاحب نے کوئی وظیفہ بتادیا کہ یہ ذکر کیا کرو، تو ذکر کرنے سے طبیعت میں ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اصل مقصد فضائل کا حصول اور رذائل سے بچنا ہے، جب یہ مقصود ٹھہرا تو سب سے پہلے ''فضائل'' کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ فضائل کیا ہیں، جن کو حاصل کرنا ہے، اور وہ رذائل کیا ہیں جن سے بچنا ہے۔

گزشتہ سال کے بیانات:

گزشتہ سال رمضان المبارک میں ''فضائل'' کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی تھیں، اور ان فضائل میں سے پورے مہینے میں جن کا بیان ہوا تھا۔ وہ خوف و رجا کا بیان، صبر کا بیان، تقویٰ کا بیان، اور صبر کی حقیقت، اس کے مدارج اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ، پھر شکر کا بیان، اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ اور پھر اس کے بعد ''تفویض اور توکل'' کا بیان شروع ہوا تھا، جو درمیان میں رہ گیا تھا، یہاں تک کہ رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہو گیا تھا۔

تفویض کے معنی:

''تفویض'' اور ''توکل'' یہ دو لفظ ہیں، اور یہ دونوں ملتے جلتے الفاظ ہیں، لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، اور دونوں مطلوب ہیں، اور دونوں کو حاصل کرنا چاہئے، ''تفویض'' کے معنی ہیں سونپ دینا اور سپرد کر دینا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے اختیارات فلاں شخص کے سپرد کر دیئے، یعنی اس کے حوالے کر دیئے، اسی طرح کسی شخص کو اپنا نمائندہ بنا دینا، آپ نے کسی شخص سے کہا کہ یہ سامان لے جا کر بازار میں فروخت کر دو، گویا کہ

آپ نے اس کو اپنا وکیل بنا دیا، اور یہ کام اس کے سپرد کر دیا۔

اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے:

''تصوف'' کی اصطلاح میں ''تفویض'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے سارے معاملات اللہ جل شانہٗ کے سپرد کر دے، اور یہ کہے کہ یا اللہ! میں نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے حق میں بہتر ہے، آپ ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ہی میرے لئے فیصلہ فرمایئے، اس کو ''تفویض'' کہتے ہیں:

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ و کم و بیش را

اے اللہ! میں نے اپنا سب معاملہ آپ کے سپرد کر دیا، آپ اچھا برا، کم زیادہ، یہ سب آپ بہتر سمجھتے ہیں، میں نہیں سمجھتا، یہ ہے ''تفویض''۔ اور یہ مقصود اور مطلوب ہے، ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تفویض کا معاملہ رکھے، اور اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔

''تفویض'' کی ضد ہے ''تجویز''۔ یعنی اپنی طرف سے انسان یہ فیصلہ کر لے کہ یہ معاملہ اس طرح ہونا چاہئے، یہ ہے ''تجویز'' اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنی تجویز چلانا اچھی بات نہیں۔ مثلاً ایک شخص روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلا، اب ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی اللہ سے دعا کرے اور اسباب تلاش کرے کہ کونسی روزی میرے لئے بہتر ہے، اور تلاش کے بعد دس جگہوں پر ملازمت کے لئے درخواست دیدی، اور پھر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا کہ جہاں اللہ تعالیٰ میرے لئے بہتر سمجھیں گے وہاں میری ملازمت لگ جائے گی، اور دعا کر لی کہ یا اللہ ان میں سے جو ملازمت میرے حق میں بہتر ہو، اس کو میرے لئے

مقرر فرما دیجئے، میں نہیں جانتا کہ کونسی ملازمت میرے لئے بہتر ہے، یہ ''تفویض'' ہوئی۔

اپنی طرف سے تجویز کرنا اچھا نہیں:

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے خود ہی یہ فیصلہ کرلیا اور طے کرلیا کہ ان دس ملازمتوں میں سے یہ ملازمت مجھے ہر حال میں لینی ہے اور کوئی ملازمت نہیں لینی، اگر مل جائے تو بڑے خوش، کہ اپنے مطلب کی ملازمت مل گئی اور اگر وہ ملازمت نہیں ملی تو اس پر بڑا رنج اور بڑا صدمہ اور بڑی پریشانی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے شکوہ ہو رہا ہے کہ یا اللہ، میں آپ سے یہ ملازمت مانگ رہا تھا، آپ نے یہ ملازمت نہیں دی، یہ ہے ''تجویز'' اور تجویز بری بات ہے، اور اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اور تفویض اچھی بات ہے، اس کو حاصل کرنا چاہئے۔

تفویض کا واجب درجہ:

''تفویض'' کا ایک درجہ تو واجب ہے، اور اس کی ضد حرام ہے، اور ایک درجہ مستحسن اور مستحب ہے، کہ اگر حاصل ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے، انسان اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے، اگر حاصل نہ ہو تو اس سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، ''تفویض'' کا واجب درجہ یہ ہے کہ آدمی کو اس حد تک تفویض کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض اور شکوہ پیدا نہ ہو، جیسا کہ میں نے ابھی مثال دی کہ ایک آدمی نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مجھے تو یہ ملازمت ملنی ہی چاہئے تھی، جب وہ نہیں ملی تو اب شکوہ ہو رہا ہے کہ یا اللہ! میں نے تو آپ سے یہ ملازمت مانگی تھی، لیکن آپ نے مجھے نہیں دی۔ اب اعتراض ہو رہا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے میری مرضی کے مطابق کام نہیں کیا، اور جب اعتراض اور شکوہ پیدا ہو جائے تو یہ ''تفویض'' کے واجب درجہ کی خلاف ورزی ہے، اور گناہ کے اندر داخل ہے۔

تفویض کا مستحب درجہ:

ایک درجہ ''تفویض'' کا اس سے آگے کا ہے، وہ درجہ واجب تو نہیں، لیکن اگر حاصل ہو جائے تو نعمت ہے، وہ یہ کہ اپنی طرف سے دل میں کسی چیز کی تجویز نہ ہو، اور بلکہ اپنی تجویز بالکل فنا کر دے۔ یعنی اپنا نہ کوئی مطالبہ ہے، نہ کوئی ارادہ ہے، نہ کوئی خواہش ہے، چاہے یہ ملازمت مل جائے، یا دوسری ملازمت مل جائے، میری طرف سے کوئی خواہش نہیں۔ بلکہ جو ملازمت آپ دلوا دیں، وہی میرے لئے بہتر ہے، یا بیمار ہو جائے تو اب سنت کے مطابق علاج شروع کر دیا، اب اگر آپ مجھے شفاء دیدیں تو وہ آپ کی نعمت، اگر شفاء نہ دیں تو کوئی شکوہ نہیں، کیونکہ اپنی طرف سے میری کوئی خواہش ہی نہیں، ''تفویض'' کا یہ درجہ واجب نہیں، اور ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں، لیکن اگر یہ درجہ حاصل ہو جائے تو نعمت ہے۔

حضرت ذوالنون مصری کا خوبصورت جواب:

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کیسے مزاج ہیں؟ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ کائنات میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس شخص کی زندگی کے لطف کا کیا عالم ہوگا کہ کائنات

میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہی نہیں۔...... لوگوں نے کہا کہ حضرت! یہ کیسے ہو گیا؟ یہ بات تو پیغمبروں کو بھی حاصل نہیں ہوئی کہ جو چاہا، وہ ہو جائے، جواب میں حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس طرح ہو گیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مرضی، وہ میری مرضی ہے، اور کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے، گویا کہ میری مرضی سے ہو رہا ہے۔ اگر میں صحت مند ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوں، لہٰذا میری مرضی بھی یہی ہے، اگر میں بیمار ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوں، اس بیماری میں بھی میں خوش ہوں، اور راضی ہوں۔ اگر ان کی مرضی یہ ہے کہ میں بھوکا رہوں، میں بھی اس پر راضی ہوں۔ اس لئے کہ میں نے اپنی تجویز فنا کر دی ہے۔

ترک تمنا میں سکون ہے:

میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی صاحب مرحوم کا ایک خوبصورت شعر ہے کہ:

سکون ترک تمنا میں پالیا میں نے
قدم رکے تھے کہ منزل کو جالیا میں نے

پریشانی کہاں سے پیدا ہو رہی ہے؟ تمناؤں سے، آرزوؤں سے، دل میں تمنائیں اور آرزوئیں بھری ہوئی ہیں کہ مجھے یہ مل جائے، مجھے دولت مل جائے، مجھے فلاں چیز مل جائے، مجھے عزت مل جائے، مجھے شہرت مل جائے۔ مجھے عہدہ مل جائے، مجھے منصب مل جائے، یہ سب آرزوئیں پیدا ہو رہی ہیں، اور

جب یہ چیزیں نہیں مل رہی ہیں تو اس پر تکلیف ہو رہی ہے، رنج اور صدمہ ہو رہا ہے، پریشانی ہو رہی ہے۔ اگر انسان تمنا ہی ترک کر دے کہ دل میں کسی چیز کی کوئی تمنا ہی نہیں۔ نہ دولت کی تمنا، نہ شہرت کی تمنا، نہ مقبولیت کی تمنا، نہ پیسوں کی تمنا، نہ عہدہ اور منصب کی تمنا، ساری تمنائیں ختم کر دیں، اور جب تمنائیں ہی ختم کر دیں تو اب کس بات پر رونا؟ رونا ختم ہو گیا، اور سکون حاصل ہو گیا۔

سکون، ترک تمنا میں پالیا میں نے
قدم رُکے تھے کہ منزل کو جالیا میں نے

یعنی تمنا کرنے سے جہاں قدم روک دیے وہیں منزل مل گئی۔

نہ خواہش، نہ پریشانی:

یہ بات اللہ کے بندوں میں پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے دل میں کوئی خواہش نہیں ہوتی، کیونکہ اپنی ساری خواہشوں کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، جب کوئی خواہش نہیں، تو صدمہ بھی کوئی نہیں۔ کیونکہ صدمہ تو خواہش کے پورا نہ ہونے سے ہوتا ہے، جب خواہش ہی کوئی نہیں تو صدمہ کس چیز کا؟ اس لئے کوئی پریشانی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بندے پیدا فرمائے ہیں اور ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے فیصلے اور آپ کی رضا میں اپنی ہر خواہش مٹادی ہے۔

نتیجہ اللہ کے حوالے کر دو:

یہ جو مقام ہے کہ خواہشات ہی ختم ہو جائیں، خواہشات فنا کر دے، تو بات دراصل یہ ہے کہ خواہشات دل میں پیدا تو ہوتی ہیں، اس لئے کہ انسان ہے،

اور انسان ہونے کے ناطے خواہش پیدا ہوگی، لیکن اس خواہش کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، اس وجہ سے وہ خواہش کالعدم ہوگئی، ''تفویض'' کا یہ درجہ حاصل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو واجب بھی نہیں فرمایا، البتہ واجب یہ ہے کہ جو کوئی کام کرو، اس کا نتیجہ اللہ کے حوالے کر دیا کرو، اور یہ دعا کیا کرو کہ:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا الْجُھْدُ وَ عَلَیْکَ التُّکْلَان

اے اللہ! میں نے اپنی سی کوشش کر لی، باقی معاملہ آپ کے حوالے ہے۔ اب آپ پر بھروسہ ہے، آپ جو فیصلہ فرمائیں گے میں اس پر راضی ہوں۔

دعا کی قبولیت اللہ کے حوالے کر دو:

یہاں تک کہ دعا کرنے میں بھی یہی تفویض اختیار کرو، اور کاموں میں تو ''تفویض'' کرتے ہی ہو، مثلاً بیماری کے اندر علاج شروع کیا، اور دوا استعمال کی، لیکن نتیجہ اللہ کے حوالے کر دیا، اسی طرح ملازمت تلاش کی، درخواست دیدی، اور نتیجہ اللہ کے حوالے کر دیا، اسی طرح دعا کرنے میں بھی ''تفویض'' اختیار کرو، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اور اس کے قبول ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اور دعا ہی کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا الْجُھْدُ وَ عَلَیْکَ التُّکْلَان

یا اللہ! میں جتنا آپ سے مانگ سکتا تھا، اتنا مانگ لیا، آپ کی بارگاہ میں اپنا قضیہ پیش کر دیا، اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ جو فیصلہ کریں گے مجھے

وہ فیصلہ منظور ہوگا، چاہے وہ فیصلہ میری خواہش کے مطابق ہو، چاہے وہ فیصلہ میری خواہش کے خلاف ہو، لیکن مجھے منظور ہے، اسی کا نام ''تفویض'' ہے۔ دوسرا لفظ جو یہاں لائے ہیں وہ ہے ''توکل'' توکل کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کر رہے ہیں، اسباب کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ یہ سب کام انجام دے سکے، بہرحال! تفویض اور ''توکل'' میں تھوڑا سا فرق ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ کل عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخردعوانا ان الحمد لِلّٰہِ ربِّ العالمین

✿✿✿
✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کثرتِ تکرار سے عمل آسان ہو جاتا ہے

مجلس نمبر 106

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
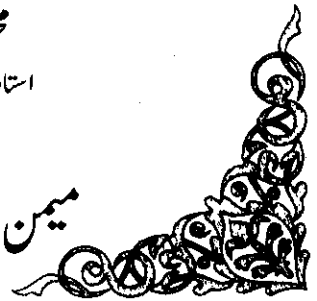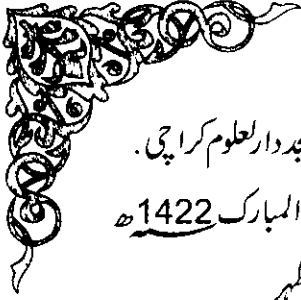
مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی.

تاریخ خطاب : رمضان المبارک 1422ھ

وقت خطاب : بعد نماز ظہر

اصلاحی مجالس : جلد نمبر 7

مجلس نمبر : 106

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَابَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کثرت تکرار سے عمل آسان ہوجاتا ہے

مجلس نمبر 106

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رسوله الکریم، وعلٰی کل من تبعهم باحسان الیٰ یوم الدین۔ امابعد:

تمہید

گزشتہ کل ''تفویض'' کا بیان شروع کیا تھا کہ ''تفویض'' کے معنی ہیں کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور دوسری چیز ''توکل'' یعنی اللہ جل شانہ پر بھروسہ کرنا، یعنی یہ سمجھنا کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوگا، اس کی اجازت سے ہوگا، اور وہی سب کچھ کرنے والا ہے، اسباب کے اندر اپنی ذات میں کوئی طاقت نہیں، یہ اعتقاد ''توکل'' کہلاتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے پہلے ملفوظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ:

''خدا کی تجویز میں اپنی تجویز کو فنا کر دو، ابتداء میں تو اہل اللہ کی یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، خدا تعالیٰ کی

حکمت اور قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے، پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔''

(انفاس عیسیٰ ص ۲۱۷)

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ''تفویض'' کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر فنا کر دیا۔ میں کچھ نہیں جانتا کہ میرے کے لئے کیا بہتر ہے، کیا بہتر نہیں، میں تو اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر چکا ہوں، وہ جس میں میرے لئے بہتری قرار دیں گے، وہی میرے لئے بہتر ہوگا، میں اسی پر راضی ہوں، اور اسی پر مطمئن ہوں، اس کا نام ''تفویض'' ہے۔

یہ جو فرمایا کہ اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کر دو، اور یہ یقین رکھو کہ جو کچھ فیصلہ ہوگا، وہی میرے حق میں بہتر ہے، اور اسی پر میں مطمئن ہوں۔ اس حالت کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم کا مراقبہ کرو اور یہ مراقبہ کرو کہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہونے والا ہے، آئندہ کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ اللہ جل شانہ عالم الغیب ہیں، اللہ جل شانہ کو سب کچھ پتہ ہے، جب آدمی اس بات کا مراقبہ کرے گا کہ مجھے تو کچھ پتہ ہے نہیں، اے اللہ! آپ کو سب پتہ ہے، اور ظاہر ہے کہ کام اسی کے حوالے کرنے چاہئیں، جس کو پتہ ہے کہ کس کام میں خیر ہے، اور کس کام میں خیر نہیں، چنانچہ استخارہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا بتائی، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ،
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ

تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ۔

یعنی اے اللہ! آپ کو علم ہے، مجھے علم نہیں، آپ کو قدرت حاصل ہے، مجھے قدرت حاصل نہیں، آپ ہی علام الغیوب ہیں۔ اس کا مراقبہ کرو، جب تم اس کا مراقبہ کرو گے تو خود بخود ''تفویض'' کی طرف طبیعت چلے گی، یہ ہے ''تفویض'' حاصل کرنے کا طریقہ۔

حصول تفویض کا دوسرا طریقہ:

حضرت والا نے فرمایا کہ:

اپنے ارادے کو خدا کے ارادے کے تابع کر دیں کہ جو کچھ ہوگا ہم اس پر راضی ہیں، اس پر عمل شروع کر دیجئے، اور برابر کرتے رہیئے، انشاء اللہ ایک دن ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے گا، اور اسی سے راحت حاصل ہوگی، بدون اس کے راحت نہیں مل سکتی، اور یہ کچھ مشکل نہیں، کیونکہ کثرت تکرار سے سب کام آسان ہو جاتے ہیں، دیکھئے، آج کل جو لوگ پختہ حافظ ہیں، وہ پہلے ہی دن سے پختہ نہیں ہوئے، بلکہ کثرت تکرار سے پختہ بنے ہیں، یا آج جو خوش نویس ہے، وہ کثرت مشق ہی سے خوش نویس ہوا ہے۔ اسی طرح کثرت تکرار سے تفویض حاصل ہو جائے گی، یہی عین عبدیت ہے، اور بندگی ہے، غلام کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۷)

یعنی ''تفویض'' حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بار بار یہ بات علم میں لاتے رہو کہ جو کچھ ہوگا وہ اللہ کی مرضی سے ہوگا اور میں اللہ کی مرضی پر راضی ہوں، بار بار یہ بات دل میں لاتے رہو، لاتے رہو، رفتہ رفتہ یہ چیز حالت ''تفویض'' بن جائے گی، اور پھر یہ حالت آگے چل کر ''مقام'' میں تبدیل ہو جائے گی۔ یعنی پھر اس کو مستقل طور پر یہ استحضار رہے گا کہ میں نے اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر رکھا ہے، جو کچھ ان کی طرف سے فیصلہ ہوگا، وہی حق ہے اور میں اس پر راضی ہوں۔

کثرت تکرار کا فائدہ:

پھر فرمایا کہ یہ کثرت تکرار، یعنی اس بات کو بار بار دل میں لانا، اور اس کی طرف دھیان کرنا، یہ چیز ''مقام'' پیدا کر دے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تکرار کے اندر بڑی عجیب خاصیت رکھی ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں ایک ہی بات بار بار آئی ہے۔ مثلاً " اَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ " کا لفظ ۶۲ مرتبہ آیا ہے، حالانکہ صرف ایک مرتبہ ہی کہنا کافی تھا کہ ''نماز قائم کرو'' اور ایک مرتبہ کہنے کی وجہ سے بھی نماز ہمارے اوپر اسی طرح فرض ہو جاتی جس طرح اب ۶۲ مرتبہ کے بعد فرض ہے، ۶۲ مرتبہ کہنے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ایک جگہ قرآن کریم میں بیان کر دیتے، بس وہ کافی تھا، لیکن کئی مرتبہ ان کا قصہ بیان فرمایا۔ تو قرآن کریم میں مختلف باتوں کا تکرار ہے، ایک ہی بات کو بار بار بیان کیا گیا ہے، ایسا کیوں کیا؟ اس لئے انسان کی خاصیت یہ ہے کہ جو چیز اس کے کان میں بار بار پڑتی رہتی ہے، وہ بات دل میں راسخ ہو جاتی ہے، قرآن کریم میں تکرار کا یہی راز ہے۔

آج پبلیسٹی کا دور ہے:

آج ''پبلسٹی'' ایک مستقل فن بن گیا ہے، گوبلز کہتا تھا کہ ''جھوٹ اتنی کثرت سے بولو کہ دنیا اس کو سچ سمجھنے لگے'' یعنی جھوٹ اتنے دھڑلے سے، اتنے اعتماد سے بولو اور بار بار بولو کہ لوگ اس کو سچ سمجھنے لگیں کہ یہ بات سچ ہے۔ یہ ہمارے ہاں جو چائے پی جاتی ہے، یہ ابتداء انگریزوں نے چلائی تھی، ابتداء انگریزوں نے یہ کیا کہ مختلف راستوں میں چوراہوں پر ریڑھیاں لگوائیں، اور ان ریڑھیوں پر چائے پکنے لگی، اور لوگوں کو مفت پلانی شروع کردی، اور اس زمانے میں یہ جملہ جاری کردیا کہ:

''گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے''

ہر جگہ یہ جملہ لکھ دیا، دیواروں پر، مکانات پر، اخبارات میں، اشتہارات میں یہ جملہ جاری کردیا، یہ بالکل جھوٹی بات تھی، اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی، لیکن اس جملے کو اتنی کثرت سے پھیلایا کہ وہ ایک حقیقت بن گئی، اور لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کردیا کہ واقعتہً گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ رفتہ رفتہ لوگ چائے کے عادی ہوگئے، اب چائے کے بغیر گزارہ نہیں۔ اگر چائے نہیں پی تو کچھ بھی نہیں پیا، بلکہ سر میں درد ہوگا۔ طبیعت خراب ہوگئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ کثرت سے بار بار پینے سے اس کے عادی ہوگئے۔

انسان عادی کیسے بنتا ہے؟

جتنی بھی چیزوں کے لوگ عادی ہوتے ہیں، اگر غور کرو تو یہ نظر آئے گا وہ بالکل بے مزہ چیزیں ہیں۔ جیسے لوگ تمباکو کے عادی ہیں، اور یہ ایسا بدمزہ ہوتا

ہے کہ جس نے کبھی تمبا کو نہ کھایا ہو، اس کو تمبا کو کھلاؤ تو اس کو قے ہو جائے گی۔ لیکن جب تمبا کو کی عادت پڑ گئی تو اب اسی میں مزہ آنے لگا، اور اب اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ اسی طرح لوگ ''قہوہ'' کے عادی بن جاتے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے زندگی میں جب قہوہ پیا تو بہت کڑوا لگا، واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ کراچی میں قطر کے کوئی شیخ آ گئے، انہوں نے دارالعلوم کے کچھ طلباء کی دعوت کی تو ہم لوگ اس دعوت میں گئے تو سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک چھوٹے سے فنجان میں قہوہ لایا گیا، جو مقدار میں بہت تھوڑا سا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اس کا پہلا گھونٹ منہ میں لیا تو فوراً سر میں درد شروع ہو گیا، وہ اتنا کڑوا لگا کہ اس ایک گھونٹ کو حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا، میں سوچنے لگا کہ یا اللہ، یہ لوگ کس طرح اس کو مزے لے کر پیتے ہیں۔ لیکن بعد میں جب عربوں کے ساتھ زیادہ اٹھنا بیٹھنا ہوا تو اب ہر دعوت میں سامنے قہوہ آ رہا ہے، رفتہ رفتہ اس کو پینا شروع کیا تو اب پیتے پیتے اچھا لگنے لگا، اور اب اس کو پینے میں بڑا لطف محسوس ہوتا ہے۔

نفس کو عبادت کا عادی بناؤ:

اسی طرح جتنی عبادات ہیں، جتنی طاعات ہیں، یا اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنے اخلاق فاضلہ پیدا فرمائے ہیں، وہ بھی درحقیقت اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ شروع میں یہ کڑوے لگتے ہیں، بدمزہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب انسان بار بار ان اعمال کو کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کا عادی بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ان اعمال واخلاق کی ایسی محبت پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر اس انسان کو اس عمل کے بغیر چین نہیں آتا۔......... مثلاً ایک آدمی بے نمازی ہے، اگر اس سے کہا جائے تو نماز پڑھ تو اس کے لئے نماز پڑھنے سے زیادہ بھاری کام کوئی اور نہیں

ہوگا۔ لیکن ایک شخص سے بار بار نماز پڑھوائی، یہاں تک اس کی عادت بن گئی، اب اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اس کو چین نہیں آتا۔ اگر عشاء کی نماز نہیں پڑھی تو رات کو نیند نہیں آئے گی، اس لئے کہ اس کو عبادت کی عادت ہوگئی ہے۔

مشق سے تفویض حاصل ہوجائیگی:

یہی بات حضرت والا بیان فرما رہے ہیں اور یہ تصوف کا بڑا عجیب راز ہے، کہ جو کام حاصل ہوتا ہے وہ کثرت تکرار سے حاصل ہوتا ہے، بار بار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، مشق کرنے سے ہوتا ہے، اسی طرح یہ ''تفویض'' بھی اگر حاصل ہوگی تو وہ مشق سے حاصل ہوگی، وہ یہ کہ بار بار ہر معاملے میں یہ کہو کہ:

أُفَوِّضُ أَمْرِیْ إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والے ہیں۔

بار بار دل میں یہ خیال لاؤ کہ میں نہیں جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں، میری قدرت میں کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب کچھ ہے اور مجھے پتہ نہیں کہ کس کام میں خیر ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کام میں خیر ہے، لہٰذا میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، وہ جو فیصلہ کریں گے، وہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ جب بار بار یہ خیال دل میں لاؤ گے تو کثرت تکرار سے ''تفویض'' حاصل ہوجائے گی۔

بے حقیقت بندہ کیا تجویز کرے:

''یہی عین عبدیت ہے اور بندگی ہے، غلام کو ایسا ہی ہونا چاہئے'' یعنی

انسان تو ''بندہ'' ہے، اور بندہ اپنے آقا سے کیا تجویز کرے؟ بلکہ دنیا کے اندر تو غلام اور آقا دونوں انسان ہوتے ہیں، جیسی غلام کی عقل ہے، ویسی ہی آقا کی عقل ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ غلام کے اندر عقل آقا کے مقابلے میں زیادہ ہو، لیکن یہاں تو وہ نسبت بھی نہیں، بلکہ یہاں تو بندہ اور خدا کی نسبت ہے، اب یہ بے حقیقت، بے علم، چھوٹا سا بندہ، جس کے پاس نہ علم ہے، نہ قدرت ہے، وہ کیا اللہ میاں کو تجویز پیش کرے کہ اللہ میاں آپ ایسا کر دینا۔ لہٰذا تجویز تو اللہ ہی کی ہے، اور فیصلہ انہی کا ہے، مشیت انہی کی کارفرما ہے۔ ہاں! بے علمی کی وجہ سے ہم صدمہ بھی کرتے ہیں، کوئی واقعہ پیش آیا، اس پر صدمہ ہو رہا ہے، یہ صدمہ بے علمی کی وجہ سے ہو رہا ہے، اگر حقیقی علم ہمیں ہوتا تو پھر صدمہ نہ ہوتا۔

مفوّض کامل کی پہچان:

آگے ایک اور ملفوظ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''مفوِّض کامل وہ ہے کہ اگر عمر بھر اس کے کان میں یہ آواز آئے کہ "اِنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ" یا یہ آواز آئے کہ "اِنَّکَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ" تو کسی وقت بھی عمل میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کرے، بلکہ بدستور کام میں لگا رہے، نہ پہلی آواز سے بے فکر ہو، نہ دوسری آواز سے دل برداشتہ ہو۔

(انفاس عیسیٰ ص ۲۱۸)

فرمایا کہ ایک شخص کے کان میں مسلسل یہ آواز آرہی ہے، یعنی اس کو الہام ہو رہا ہے کہ تو جنتی ہے، تو یہ آواز سن کر عمل میں کوئی فرق نہیں واقع ہونا

چاہئے ـــــ یہ نہیں کہ جب میں جنتی ہوگیا تو اب مجھے عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور یہ سوچ کر عمل چھوڑ دے ـــــ یا خدا نہ کرے یہ آواز آجائے تو جہنمی ہے، تو اس وقت بھی اپنے عمل کو نہ چھوڑے، اور یہ نہ سوچے کہ جب جہنم ہی میں جانا ٹھہرا تو اب کیا نماز پڑھوں، کیا روزے رکھو ـــــ حضرت والا فرمارہے ہیں کہ اگر مسلسل یہ آواز آتی رہے تب بھی عمل میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔ بلکہ عمل میں لگا رہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بزرگ روزانہ تہجد میں اٹھا کرتے تھے، ایک مرتبہ معمول کے مطابق تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، وضو کے لئے لوٹا اٹھایا، اس میں پانی بھرا، جب وضو کے لئے بیٹھنے لگے تو کان میں ایک آواز آئی کہ ''نہ تیرا اٹھنا قبول ہے، نہ تیرا وضو قبول ہے، نہ تیری نماز قبول ہے، نہ تیرا تہجد قبول ہے'' ـــــ شاگرد بھی ساتھ تھا، اس نے بھی یہ آواز سنی ـــــ اس کے بعد انہوں نے اطمینان سے وضو کیا، تہجد ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے، اور روزانہ کا جو معمول تھا، وہ پورا کیا ـــــ اگلی رات کو جب اٹھے تو پھر وہی آواز آئی کہ نہ تیرا اٹھنا قبول، نہ تیرا وضو قبول، نہ تیری نماز قبول، نہ تیرا تہجد قبول، کچھ قبول نہیں۔ سننے کے بعد اطمینان سے وضو کیا، نماز پڑھی، اور اسی شان سے تہجد کی نماز ادا کی جس شان سے روزانہ پڑھا کرتے تھے، تیسری رات کو جب تہجد کے لئے اٹھے تو پھر وہی آواز آئی تو شاگرد جو روزانہ یہ آواز سن رہا تھا، اس نے کہا کہ حضرت! آپ یہ آواز روزانہ سن رہے ہیں کہ آپ کی کوئی عبادت قبول نہیں، تو اب خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے اور محنت کرنے کا کیا فائدہ؟ جواب

میں ان بزرگ نے فرمایا کہ میاں! ٹھیک ہے کہ وہ فرمار ہے ہیں کہ یہ عبادت قبول نہیں، لیکن اور کوئی دروازہ ہوتو بتادو، وہ قبول کریں تو، نہ قبول کریں تو، مجھے وہیں جانا ہے۔ جانے کے لئے میرے پاس کوئی اور جگہ نہیں ہے، اسی دروازہ پر پیشانی ٹیکنی ہے، اسی کے سامنے رونا ہے، اسی سے مانگنا ہے ــــــ جب ان بزرگ نے یہ کہا تو پھر آواز آئی:۔

قبول ست قبول ست گرچہ ہنر نیست
کہ جز ما پناہ دگر نیست

اگرچہ تیرے پاس ہنر تو نہیں تھا، لیکن اب سب کچھ تیرا قبول ہے، تیرا وضو بھی قبول، تیری نماز بھی قبول، تیری تہجد بھی قبول۔ چونکہ تم نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ ہمارے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ میرے پاس نہیں ہے۔

بندگی کی شان یہی ہے:

حضرت والا فرمارہے ہیں کہ اگر تمہیں یہ پتہ چل جائے کہ تم جنتی ہوتو تمہارے عمل میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے، اور اگر تمہیں یہ پتہ چل جائے کہ تم جہنمی ہوتو عمل میں کوئی کمی نہ ہونی چاہئے۔ اگر یہ پتہ چل جائے کہ عبادت قبول نہیں ہو رہی ہے تو بھی عمل میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے، بلکہ جیسے پہلے عبادت میں لگے ہوئے تھے، ویسے ہی لگے رہنا چاہئے ــــ اور درحقیقت بندگی کی شان یہی ہے، میں اس کے در پر پڑا رہوں گا، اس کے در کا غلام ہوں، چاہیں قبول کریں، یا قبول نہ کریں۔

ایک عجیب سوال:

ایک بہت بڑے جلیل القدر محدث گزرے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن

اُبی نعم رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں ایک شخص کو یہ شوق پیدا ہوا کہ میں اللہ والوں کے پاس اور علماء کے پاس جاؤں، اور ان سے یہ سوال کروں کہ اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ آئندہ ۲۴ گھنٹے کے بعد آپ کا انتقال ہونے والا ہے تو یہ ۲۴ گھنٹے آپ کس طرح گزاریں گے؟ اور ان ۲۴ گھنٹوں میں آپ کیا نیک اعمال کریں گے؟ اب ظاہر ہے کہ جب آدمی کو یہ پتہ چل جائے کہ میں ۲۴ گھنٹے بعد دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں تو وہ اس وقت وہی کام کرے گا جو اس کے نزدیک سب سے افضل کام ہوں گے، اس لئے اس نے یہ سوال بنایا۔

میرے پاس اضافہ کیلئے کچھ نہیں:

چنانچہ وہ شخص بڑے بڑے علماء اور محدثین کے پاس گیا، کسی نے کچھ اعمال بتائے، کسی نے کچھ اعمال بتائے۔ مختلف عبادات، اذکار اور تسبیحات بیان کیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن اُبی نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب وہ شخص پہنچا اور اس نے یہ سوال ان سے بھی کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی اعمال کروں گا، جو آج کر رہا ہوں، یعنی میں اس وقت جو اعمال کر رہا ہوں، میرے پاس ان میں اضافہ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ میں نے اپنی ساری زندگی اسی نظم پر ڈھال رکھی ہے کہ شاید اگلے چوبیس گھنٹے میں میرا انتقال ہو جائے گا، اس لئے جو اعمال میں روز کرتا ہوں، وہی اعمال میں آج بھی کرونگا ____ بہر حال! کوئی بھی حالت ہو، آدمی کے معمول میں، اس کے طریق کار میں، اللہ جلّ شانہ کے ساتھ تعلق میں، عبادات میں، طاعات میں، کوئی فرق واقع نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اگر یہ آواز آجائے کہ تو جنتی ہے، یا یہ آواز آجائے تو جہنمی ہے۔ العیاذ باللہ۔ تب بھی اس کے عمل میں کوئی فرق نہیں

ہونا چاہئے، کسی حالت میں بھی عمل کونہیں چھوڑنا چاہیئے۔

استقامت کیلئے ہمت کوکام میں لانا ہوگا:

اسی کو ''استقامت'' کہتے ہیں، اور یہ استقامت مشق سے حاصل ہوتی ہے، لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ معمولات کی پابندی نہیں ہوتی، ناغہ ہو جاتا ہے ___ یہ ناغہ کیوں ہو جاتا ہے؟ اس ___ لئے ناغہ ہو جاتا ہے کہ اس کی مشق نہیں کی، یاد رکھو کہ اختیاری امور کو اپنی زندگی کے معمول میں داخل کرنے کا سوائے زبردستی کے اور کوئی اس کا طریقہ نہیں، تم اگر سمجھتے ہو کہ تمہیں کوئی تعویذ گھول کر پلا دیا جائے گا۔ یا تمہارے اوپر کوئی جھاڑ پھونک کر دے گا، اور اس کے نتیجے میں تم معمولات کے پابند ہو جاؤ گے، یہ سب خام خیالی ہے، اس کو دل سے نکال دو، ایسا نہیں ہوسکتا ___ بلکہ اپنے ارادے سے اور اپنی ہمت کو استعمال کرنے سے، اور زبردستی اپنے آپ کو کام میں لگا کر یہ چیز حاصل ہوگی، جب تک تم اپنے اوپر زبردستی نہیں کرو گے، اس وقت تک کسی چیز کی مشق نہیں ہوگی، اور کسی کام پر استقامت حاصل نہیں ہوگی۔

فضول کاموں میں مشق:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت رکھی ہے، یہ ہمت ربر کی طرح ہے، اس کو جتنا چاہو کھینچ لو، چاہے اس کو غلط کام میں استعمال کرو، چاہے اچھے کام میں اس کو استعمال کرلو، اب لوگ اس ہمت کو غلط کاموں میں استعمال کرتے ہیں ___ ابھی چند روز پہلے میں اٹلی گیا تھا، وہاں پر ایک سڑک پر سے جب گزرا تو وہاں دیکھا کہ وہاں دو دیواریں ڈھلوان والی بنی ہوئی تھیں۔ اس

کے اوپر پہیے رکھے ہوتے تھے، اب لوگ ان پہیوں کے ذریعہ ان دیواروں پر اوپر کی طرف جاتے، اور پھر ہوا میں قلا بازیاں کھا کر دوبارہ اس دیوار پر آجاتے ــــــــ لوگ برسرعام یہ کرتب دکھا رہے تھے، دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی کہ یہ کیسے انسان ہیں۔ جو یہ عمل کر رہے ہیں، لیکن انہوں نے مشق کی، اور مشق کر کے اس فضول کام میں مہارت پیدا کرلی، میں نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں کتنی طاقت دی ہے کہ یہ آدمی مشق کر کے ایسے کام کرنے پر قادر ہو گئے کہ ہمیں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے کہ ایسا کام بھی انسان کرسکتا ہے۔ جب ایک فضول کام میں مشق کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمت میں یہ برکت دیتے ہیں تو اگر ہم طاعات، عبادات اور گناہوں سے بچنے میں اپنی ہمت کو استعمال کریں تو اللہ تعالیٰ کیوں مدد نہیں فرمائیں گے۔

نفس کو زبردستی طاعات میں لگاؤ:

اس لئے اپنے نفس کو زبردستی طاعات میں لگاؤ۔ وہ غالب نے خوب کہا ہے کہ:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں جاتی

اگر طبیعت ادھر نہیں جاتی تو اس کو زبردستی کر کے لاؤ، جب اس طبیعت کے ساتھ زبردستی کرو گے تو کچھ دن تو زبردستی کرنی ہوگی، لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی عادت بن جائے گی، جب عادت بن جائے گی تو اس کام کی طبیعت ثانیہ بن جائے گی ــــ کوئی کام زبردستی کئے بغیر نہیں ہوسکتا۔

حاصلِ تصوف:

ہمارے حضرت حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ علیہ ساری عمر تصوف کے کوچوں کی خاک چھاننے کے بعد تصوف کا حاصل بیان فرما رہے ہیں کہ:

> وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب کسی طاعت کے کرنے میں سستی محسوس ہو، اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کر گزرے اور جب کسی گناہ کے کرنے کا تقاضہ ہو، اس تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، بس اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اس سے ترقی کرتا ہے، اور اسی سے تعلق باقی رہتا ہے۔

بہرحال! نفس کے ساتھ زبردستی کر کے اس کو طاعت کی طرف لاؤ، اور گناہوں سے زبردستی کر کے اس کو دور رکھو، اگر یہ چیز حاصل ہوگئی تو بس تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

توکل مطلوب:

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''توکل مطلوب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، جو وہ چاہیں گے، وہی ہوگا اور خلاف شرع تدبیر نہ کرو، واللہ تم متوکل ہو''
>
> (انفاس عیسیٰ: ص ۲۱۸)

یعنی یہ اعتقاد اس بات کا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا اور دوسرے کہ جو تدبیر اختیار کرو، وہ خلاف شرع نہ ہو، تدبیر توکل کے خلاف نہیں، مثلاً بیمار ہوگئے تو اس بیماری کا علاج کرنا تدبیر ہے، جائز تدبیر ہے، لہٰذا یہ تدبیر توکل کے خلاف نہیں ___ البتہ خلاف شرع تدبیر نہ ہو، مثلاً یہ کہ بیماری کے علاج کے لئے کسی جادوگر کے پاس چلے گئے، اور اس سے سفلی عمل کرانا شروع کردے تو یہ ناجائز تدبیر ہے۔ حرام ہے، اور توکل کے خلاف ہے، لہٰذا تدبیر ضرور کرے، مگر وہ تدبیر شریعت کے مطابق ہو۔

آج کی مجلس کا خلاصہ:

بہر حال! آج کی مجلس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفویض کے حصول کے لئے اس مراقبہ کی ضرورت ہے کہ اللہ جل شانہ جانتے ہیں، میں نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ قادر ہیں، اور میں اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کرتا ہوں، ان کے فیصلے پر راضی ہوں، چاہے وہ فیصلہ بظاہر دیکھنے میں ناگوار معلوم ہوتا ہو۔ لیکن حقیقت میں وہی فیصلہ میرے حق میں بہتر ہوگا، اس کا بار بار مراقبہ کرنے سے یہ حالت پیدا فرمادیتے ہیں اور پھر وہ حالت مقام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو تفویض کامل اور توکل عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہِ ربِّ العالمین

❁❁❁

✓ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

✓ السلام علیکم
تم پر سلامتی ہو۔

✗ اسام علیکم
تم کو موت آئے۔

✗ اساعلیکم
تم خوشی کو ترسو۔

✗ سلالیکم
تم پر لعنت ہو۔

✗ سام علیکم
تم برباد ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسباب کی موجودگی میں "توکل" مطلوب ہے

مجلس نمبر 107

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دار العلوم کراچی۔
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	107

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسباب کی موجودگی میں ''توکل'' مطلوب ہے

مجلس نمبر 107

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبۃ للمتقین، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رسولہ الکریم، وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین۔ امابعد:

جب تمام تدبیریں ختم ہو جائیں

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن میں تمام تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں، اور کام نہیں ہوتا، بس گرہ اس وقت کھلتی ہے جب بندہ یوں کہتا ہے کہ اے اللہ! آپ ہی اس کام کو پورا کریں گے تو پورا ہوگا، میں تو عاجز و درماندہ ہوں''

(انفاس عیسی، ص ۲۱۸)

مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ایسے واقعات بکثرت پیش

آتے ہیں کہ انسان تدبیریں کرتا ہے، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ یہ نظارے بندوں کو دکھاتے رہتے ہیں کہ ایک وقت میں وہی تدبیریں کارگر ہوگئی تھیں، اور ان سے فائدہ پہنچ گیا تھا۔ لیکن دوسرے وقت میں وہی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا ______

دوا کس سے پوچھتی ہے

اللہ تعالیٰ یہ چیزیں بندوں کو دکھاتے رہتے ہیں ______ ہمارے ایک ڈاکٹر تھے، ڈاکٹر صغیر احمد ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معالج تھے، بڑے تجربہ کار ڈاکٹر تھے، تقریباً ۸۰ سال کی عمر ہوگئی تھی۔ وہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ساری زندگی کے تجربہ کا نچوڑ یہ ہے کہ جب کوئی دوا کسی مریض کے لئے تجویز کی جاتی ہے تو وہ دوا جسم میں جانے کے بعد کسی سے پوچھتی ہے کہ کیا عمل کروں؟ فائدہ کروں؟ یا الٹی پڑ جاؤں؟ جب وہاں سے اشارہ مل جاتا ہے تب وہ دوا کام کرتی ہے ______ فرماتے تھے کہ وہی دوا، وہی مریض، وہی حالت، وہی مرض تھا کل فائدہ کرگئی تھی، آج جب وہی دوا دی تو الٹی پڑ گئی، یہ نظارے نظر آتے رہتے ہیں۔

پھر بھی انسان غافل ہے

فرماتے تھے کہ جس بیمار کے بارے میں ہمیں پکا یقین تھا کہ کل کو یہ بیمار اسپتال سے ڈسچارج ہو جائے گا اور دوسرے مریض کے بارے میں یہ یقین تھا کہ یہ آج رات دنیا سے چلا جائے گا۔ لیکن جب صبح آکر دیکھا تو پتہ چلا کہ جو مریض ڈسچارج ہونے والا تھا، وہ قبرستان پہنچ گیا، اور جس کے بارے میں یہ سوچا تھا کہ زندہ

کل کو مر جائے گا وہ تندرست ہو کر ڈسچارج ہو گیا ______ تو ساری تدبیریں، ساری دوائیں، سارے علاج، سب کہیں پوچھتے ہیں کہ کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ یہ مناظر آنکھوں سے دکھاتے رہتے ہیں، پھر بھی انسان غافل ہے، اور اپنی نگاہ انہی تدبیروں پر جمائے رکھتا ہے کہ اس تدبیر سے یہ فائدہ ہو جائے گا، اس تدبیر سے یہ فائدہ ہو جائے گا، حالانکہ ان نظاروں کو دیکھ کر یہ اعتقاد جازم پیدا ہو جائے کہ یہ تدبیریں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، اصل تو مسبب الاسباب ہیں۔ وہ جس تدبیر میں تاثیر پیدا فرمادیں تو تاثیر ہوگی، ورنہ نہیں ہوگی۔

اس وقت گرہ کھلتی ہے

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ساری تدبیریں کرلیں۔ سارے جوڑ توڑ کرلئے اور ساری کوششیں بروئے کار لے آئے، لیکن نتیجہ نکل کر نہیں آیا۔ اس وقت انسان جب تمام تدبیروں سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے، یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! بس آپ ہی کا سہارا ہے، آپ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر آپ کریں گے تو یہ کام ہو جائے گا، آپ نہیں کریں گے تو یہ کام نہیں ہوگا، اس وقت بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھل جاتا ہے، اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ: ''اس وقت گرہ کھلتی ہے جب یوں کہتا ہے کہ اے اللہ، آپ اس کام کو پورا کریں گے، میں تو عاجز اور درماندہ ہوں۔'' ساری تدبیریں اختیار کر کے آخر میں اعتراف کرلے کہ میں تو کچھ نہیں کرسکتا، جب تک آپ کی توفیق نہ ہو۔

ایک سبق آموز واقعہ

انسان کے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں ______ ۱۹۶۷ء

کی بات ہے، آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مجھے پہلی مرتبہ حرمین شریفین کے سفر پر پانی کے جہاز سے جانا ہوا، میرے ساتھ میرے بڑے بھائی مولانا ولی رازی صاحب تھے، ہم دونوں اس سفر پر روانہ ہوئے، راستے میں پانی کا جہاز عدن کے ساحل پر ایک رات کے لئے رکتا تھا، اور پھر وہاں سے اگلے دن روانہ ہوتا تھا، چنانچہ جب جہاز عدن پر پہنچا تو ہم دونوں جہاز سے اتر گئے۔ وہاں یکے بعد دیگرے تین شہر ہیں، چنانچہ وہاں اتر کر گھومے پھرے، کچھ چیزیں سستی مل رہی تھیں، وہ خرید لیں، کچھ کھایا پیا، اور پھر ایک ٹیکسی لی، اور ساحل پر پہنچے، جب اس ٹیکسی والے کو پیسے دینے کی نوبت آئی تو پتہ چلا کہ وہ ہمارا تھیلا جس میں ساری رقم، جہاز کا ٹکٹ، اور پاسپورٹ وغیرہ تھا، وہ تھیلا غائب ہے۔ اور جہاز سمندر کے درمیان کھڑا ہوا تھا، اور ساحل سے جہاز تک کشتی کے ذریعہ جانا تھا، رات کے ۱۱ بج گئے تھے، آخری کشتی جانے والی تھی اور صبح سویرے جہاز روانہ ہو جائے گا، اور رات کو ایک بجے کے بعد جہاز سے سیڑھی ہٹا دی جائے گی۔

مایوسی کے بعد مسجد کی طرف

اب ٹیکسی والے کو بھی دینے کے لئے پیسے نہیں تھے ـــــــ اور ہم دونوں نے اپنے ٹکٹ، پاسپورٹ، پیسے سب کچھ ایک ہی تھیلے میں رکھے تھے۔ اگر الگ الگ ہوتے تو کم از کم یہ ہوتا کہ ایک کے پیسے غائب ہو جاتے، دوسرے کے موجود ہوتے، اب ٹیکسی ڈرائیور سے ساری صورت حال بتائی کہ یہ صورت پیش آ گئی ہے، اب ایسا کرو کہ تم ہمیں دوبارہ اسی جگہ لے چلو جہاں سے ہم سوار ہوئے تھے، وہاں پر وہ تھیلا تلاش کریں گے، اس لئے کہ وہیں کسی دکان پر وہ تھیلا ہم چھوڑ کر آئے ہیں۔ جب تھیلا مل جائے گا تو تمہیں واپسی کا کرایہ بھی دیدیں گے، وہ ٹیکسی والا

راضی ہو گیا، اور ہمیں دوبارہ اس بازار میں لے گیا۔ جب وہاں پہنچے تو رات کے ۱۲ / بج چکے تھے، اور جن دکانوں پر ہم گئے تھے، وہ سب دکانیں بند ہو گئیں، ایک ایک جگہ جا کر تلاش کیا، لیکن کوئی دکان کھلی نہیں تھی، اور جہاز کے جانے کا وقت قریب آ رہا تھا، اجنبی شہر جہاں نہ کوئی جان پہچان۔ جب تلاش کر کے مایوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ چلو مسجد قریب ہے۔ وہاں چلتے ہیں اور صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں ــــــ چنانچہ مسجد میں جا کر صلاۃ الحاجۃ پڑھی، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یا اللہ! اب ہمارے لئے کوئی راستہ نہیں، اگر رات یہاں رہ گئے تو نہ ہمارے پاس پیسے ہیں۔ نہ رہنے کی کوئی جگہ ہے، نہ کوئی جاننے والا ہے، یا اللہ، آپ ہی ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دیجئے۔

تھیلا مل گیا

ابھی ہم دعا کر کے فارغ ہوئے تھے کہ ایک آدمی گلی میں سے دوڑتا ہوا آیا، اور آ کر پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں بیٹھے ہو؟ ہم نے بتایا کہ اس طرح ہمارا تھیلا گم ہو گیا ہے، اور ہم اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اس نے پوچھا کہ وہ تھیلا کیسا تھا؟ ہم نے اس کی علامتیں بتا دیں، اس نے کہا کہ اس طرح کوئی تھیلا ملا کرتا ہے جس طرح تم تلاش کر رہے ہو ــــــ اس کے بعد وہ چلا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلے، اور ہم نے سوچا کہ یہ شخص اس طرح یہاں آیا ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی ــــــ چلتے چلتے آگے گئے تو گلی میں ایک کیبن کے اندر ایک دیا ٹمٹما رہا تھا، وہ شخص اندر گیا، اور ہمیں کہا کہ ذرا تم لوگ یہاں ٹھہرو، پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ تھیلا لا کر دیدیا، اور کہا کہ تم یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے، اور آئندہ ہرگز ایسی حرکت مت کرنا ــــــ اب ہمیں یہ بھی یاد نہیں آیا کہ ہم اس دکان پر گئے

بھی تھے یا نہیں؟

جب ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں

جب ساری تدبیریں فیل ہوگئیں، سارے اسباب ختم ہوگئے، اس وقت جب بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اور اپنے کرم کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ جب تم یہ نظارے دیکھتے رہتے ہو کہ یہ تمام تدبیریں محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں، ان تدبیروں میں تاثیر پیدا کرنے والا کوئی اور ہے، تو جب آخر میں ان تدبیروں سے نگاہ ہٹ گئی، اور مسبب الاسباب کی طرف نگاہ چلی گئی، اور کسی اور طرف نہیں گئی اور یہ کہا کہ اے اللہ! میری ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں، اب صرف آپ ہی کا سہارا ہے، آپ ہی یہ کام کریں گے ــــــ یہی بات پہلے دن کہہ دی ہوتی، جبکہ اسباب بھی موجود تھے، تدبیریں نظر آرہی تھیں کہ یا اللہ: یہ تدبیریں یہ اسباب ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، ان میں تاثیر آپ ڈالیں گے تو کام ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا ــــــ اگر پہلے دن ہی یہ بات کہہ دو گے تو اس کا نام ''توکل'' ہے، اور اسی کا نام ''تفویض'' ہے۔

توکل کا حقیقی موقع

جو واقعہ میں نے بیان کیا اس میں تو سب کچھ ہاتھ سے نکلنے کے بعد ''تفویض'' اختیار کی ــــــ لیکن اگر ہاتھ میں پیسے موجود ہوتے، اور ٹکٹ ہاتھ میں ہوتا، پاسپورٹ ہاتھ میں ہوتا، اس وقت ''تفویض'' اور ''توکل'' اختیار کرنے کا اصل موقع تھا، اور اس وقت یہ سوچتے کہ نہ اس ٹکٹ میں کچھ رکھا ہے، نہ

ان پیسوں میں کچھ رکھا ہے، نہ اس پاسپورٹ میں کچھ رکھا ہے، بلکہ جو کچھ ہے، وہ اللہ کی عطا ہے، وہ اگر چاہیں گے تو مجھے پہنچادیں گے، وہ اگر نہیں چاہیں گے تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی نہیں پہنچ پاؤں گا، لہٰذا جب آنکھوں سے اسباب نظر آرہے ہوں، اس وقت ''تفویض'' اور ''توکل'' کا حقیقی موقع ہے۔

اسباب کی موجودگی میں توکل کرو

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل ''توکل'' اس وقت ہوتا ہے جب انسان کو کسی کام کو کرنے کے سارے اسباب سامنے موجود نظر آرہے ہوں ــــــ مثلاً گھر میں کھانا پک رہا ہے، آپ نے اپنی آنکھوں سے کھانا پکتا ہوا دیکھ لیا، اور کیا پک رہا ہے؟ یہ بھی معلوم ہے، کون پکا رہا ہے؟ یہ بھی معلوم ہے، اس بارے میں کوئی شبہ ہے کہ شام کو یہ کھانا ملے گا؟ ــــــ کوئی شبہ نہیں، بلکہ یقین ہے کہ شام کو افطاری کے وقت یہ کھانا ملے گا، اب اسباب سارے موجود ہیں، اس وقت ''توکل'' مطلوب ہے کہ اس وقت نگاہ ان اسباب پر نہ ہو، بلکہ اس وقت بھی نگاہ اللہ جل شانہ کی طرف ہو کہ حقیقت میں معطی وہ ہیں، اگر وہ نہ چاہیں تو ہانڈی الٹ جائے، وہ اگر نہ چاہیں تو چولہے کو آگ لگ جائے، یا کوئی اور مانع کھڑا ہو جائے، اور پتہ چلے کہ ساری محنت اکارت گئی، حاصل کچھ بھی نہ ہوا ــــــ بہرحال! جس وقت سارے اسباب موجود ہوں، اس وقت یہ دھیان کرنا کہ وہ اگر چاہیں گے، ملے گا، اور وہ اگر نہیں چاہیں گے، نہیں ملے گا، یہ ہے حقیقی ''توکل'' اور حقیقی ''تفویض''۔

سنت کی اتباع کیلئے تدبیر کرو

اسی بات کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آگے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''صاحب تفویض تو ہر امر میں ابتداء ہی سے ''تفویض'' کرتا ہے اور تدبیر جو کچھ کرتا ہے، وہ محض سنت و اطاعت سمجھ کر کرتا ہے، اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ تدبیر ضرور کامیاب ہی ہوگی، بلکہ وہ کامیابی اور ناکامی کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے کوشش کرتا ہے اور دونوں حالت میں راضی رہتا ہے''

(انفاس عیسی، ص ۲۱۸)

یعنی وہ تدبیر اس لئے اختیار کر رہا ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، یا مثلاً بیمار ہوا تو علاج کر رہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اطاعت ہے، چونکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اسباب کو اختیار کرو، اس لئے اسباب اختیار کر رہا ہوں ـــــــ لیکن کامیابی ہوگی یا نہیں ہوگی؟ یہ میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے ـــــــ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جنگ صفین

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جب جنگ صفین کے لئے روانہ ہو رہے تھے ـــــــ تو چونکہ صاحب کشف تھے ـــــــ اس لئے کسی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت! آپ جنگ کے لئے جا رہے ہیں۔ آپ کو فتح بھی ہوگی یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ فتح

نہیں ہوگی، ان صاحب نے کہا کہ پھر آپ جنگ کے لئے کیوں جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کا حکم ہے ـــــــــ دیکھئے کہ پہلے سے پتہ ہے کہ فتح نہیں ہوگی، بلکہ شکست ہوگی، لیکن پھر بھی جنگ کے لئے جا رہے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ جانے کا حکم ہے، بہر حال! تدبیر اس لئے اختیار کی جا رہی ہے کہ اللہ کا حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل میں تدبیر ہو رہی ہے۔

حضرت میاں صاحب کا عجیب واقعہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سنایا جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، دار العلوم دیوبند کے اونچے درجے کے اساتذہ میں سے تھے، مادر زاد ولی اللہ تھے ـــــــــ میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں صاحب کے استاذ تھے، وہ فرماتے تھے کہ جب میاں صاحب میرے پاس پڑھتے تھے، اس وقت یہ بچے تھے اور میں اس وقت ان کو مادر زاد ولی اللہ کہا کرتا تھا، اس لئے کہ میں نے کبھی ان سے کوئی خلاف اولیٰ کام ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

ایک مرتبہ درس گاہ میں کسی بچے سے دری پر سیاہی گر گئی، استاذ ناراض ہوئے اور بچوں سے پوچھا کہ کس نے یہ سیاہی گرائی ہے اور دری خراب کر دی؟ اب تمام بچے خاموش، کسی نے اقرار نہیں کیا۔ یہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ حضرت: مجھ سے غلطی ہوگئی، حالانکہ وہ سیاہی کسی اور بچے نے گرائی تھی، لیکن ان کا بھی ہاتھ لگ گیا تھا، جس بچے نے گرائی تھی، وہ تو نہیں بولا، لیکن یہ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ بہر حال! بچپن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مادر زاد ولی اللہ بنایا تھا۔ ایسے بزرگ تھے۔

حضرت میاں صاحب پاکستان کے حامی تھے

حضرت میاں صاحب کا تعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے تھا، اگرچہ ان کے شیخ تو کوئی اور تھے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ کی جگہ تصور کرتے تھے ـــــــ جس وقت پاکستان بنانے کی تحریک چل رہی تھی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان بننے کے حق میں تھے، جبکہ دوسری طرف حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء پاکستان بننے کے حق میں نہیں تھے، اس اختلاف کے وقت کچھ علماء مسلم لیگ کے حق میں تھے، اور کچھ علماء کانگریس کے حق میں تھے، اس اختلاف کے وقت حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔ یعنی پاکستان بننے کے حق میں تھے اور پاکستان کے لئے کوشش کرنے والوں کے ساتھ تھے۔

نماز استسقاء کا عجیب واقعہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ اسی زمانے میں ایک مرتبہ دیوبند میں بارش رک گئی اور کافی دنوں تک بارش نہیں ہوئی، دار العلوم دیوبند کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ چونکہ بارش نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے فلاں وقت میں نماز استسقاء پڑھی جائے گی اور تین روز تک نماز پڑھی جائے گی ـــــــ چنانچہ پہلے دن تمام طلباء اور اساتذہ نماز استسقاء کے لئے میدان کی طرف چلے تو حضرت میاں صاحب بھی تشریف لے جانے لگے، چونکہ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، اس لئے میرے والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ حضرت بارش ہوگی بھی یا نہیں؟ فرمایا: بارش وارش تو نہیں ہوگی، بس سنت کا ثواب حاصل کرنے

کے لئے جارہا ہوں، خیر: نماز کے لئے گئے، نماز پڑھی، اور واپس آگئے، کوئی بارش نہیں ہوئی ______

اگلے دن صبح پھر نماز استسقاء کے لئے روانہ ہوگئے، میں نے کہا حضرت: آج پھر جارہے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ دیکھو: میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے اور سنت پر عمل کرنے کے لئے چلو، بارش وارش نہیں ہونی ______ گئے، نماز پڑھی، اور واپس آگئے ______

تیسرے دن پھر نماز استسقاء کے لئے روانہ ہوگئے۔ لیکن جب تیسرے دن نماز کے لئے میدان میں پہنچے تو صفین بن رہی تھیں اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتظار ہو رہا تھا، کہ آپ تشریف لائیں گے اور نماز پڑھائیں گے۔ جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت میاں صاحب نے ان سے فرمایا کہ حضرت! اجازت ہو تو آج میں نماز پڑھا دوں؟ اب لوگ ان کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ میاں صاحب آج نماز پڑھانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ جبکہ آج تک آپ نے پنج وقتہ نماز بھی کبھی نہیں پڑھائی، چہ جائیکہ فرمائش کرکے امامت کریں ______ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے اچھی کیا بات ہے، آپ ضرور نماز پڑھائیں۔ چنانچہ تیسرے دن آپ نے نماز پڑھائی، اور واپس تشریف لے آئے، اور بارش نہیں ہوئی۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں بڑا حیران ہوا کہ تین دن سے یہ فرمارہے تھے کہ بارش وارش نہیں ہوگی، اور کبھی ساری عمر امامت نہیں کی، لیکن آج باقاعدہ فرمائش کرکے امامت کرائی، ایسا کیوں کیا؟ بعد میں میں نے میاں صاحب سے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا قصہ ہے؟ آپ نے تو کبھی نماز نہیں پڑھائی،

لیکن آج آپ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائش کی کہ آج میں نماز پڑھاؤں؟ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کو نماز پڑھانے کا بڑا شوق ہے ______ جواب میں فرمایا: ارے میاں چھوڑو ان باتوں کو ______ یہ کہہ کر بات ٹلا دی، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلفی بہت تھی، اس لئے حضرت والد صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں حضرت! آپ بتائیں، کیا قصہ ہے؟

اللہ والوں کی نرالی شان

فرمانے لگے کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر یہ منکشف فرما دیا تھا کہ بارش وارش تو ہونی نہیں، اور تین دن سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھا رہے تھے، تم جانتے ہو کہ یہ مسلم لیگ والے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں، اگر حضرت مدنی تین دن تک نماز پڑھاتے اور پھر بھی بارش نہ ہوتی تو لوگ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخیاں کرتے، اور یہ کہتے کہ دیکھو، حضرت مدنی نے چونکہ نماز پڑھائی اس لئے بارش نہیں ہوئی ______ اس لئے مجھے خیال آیا کہ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں، اور یہ الزام تنہا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر نہ آئے، اس وجہ سے تیسرے دن میں نے کہا کہ میں نماز پڑھاؤں گا۔ اب یہ ایسی بات تھی جو نہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھی اور نہ کسی اور کو معلوم تھی۔

پہلے اونٹ کو بیماری کہاں سے لگی؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو فرماتے ہیں کہ

"لَاعَــدْوٰی" یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اونٹ خارش زدہ ہوتا ہے، جب وہ دوسرے اونٹ کے پاس جاتا ہے تو اس کو بھی خارش ہوجاتی ہے، تیسرے کے پاس جاتا ہے تو تیسرے کو بھی خارش ہوجاتی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی ـــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے لگی؟ اب وہ خاموش ہوگئے ـــــــ مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ جب بھی بیماری ہوگی، وہ عدویٰ کی وجہ سے ہوگی، یا ایک کو بیماری ہوگی تو وہ ضرور دوسرے کو لگے گی، یہ جو تم نے دل میں ملازمہ قائم کر رکھا ہے کہ یہ اس بات سے ٹوٹ جاتا ہے کہ پہلے اونٹ کو بیماری کہاں سے لگی؟ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "لَاعَـدْوٰی" کے ذریعہ اس عقیدے کی نفی فرما رہے ہیں جس کو تم نے علت تامہ قرار دیدیا ہے۔

احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں

لیکن اگر سبب محض کا درجہ دیدیا ہو کہ جس طرح بیماری کے دوسرے اسباب ہوتے ہیں، یہ بھی ایک سبب ہے، ایک کے جراثیم دوسرے کی طرف منتقل ہوگئے، یہ بات اس حدیث کے منافی نہیں۔ اسی بنا پر ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فِرَّمِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ

کوڑھی کی بیماری والے سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، یا ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بیمار اونٹ کسی صحت مند اونٹ کے

پاس لاکر نہ اتارا جائے ــــــ یا ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جہاں طاعون پھیل جائے، وہاں سے نکلو نہیں، اور باہر والا آدمی اندر جائے نہیں ــــــ یہ سب احتیاطی تدابیر ہیں کہ اسباب کے درجہ میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جب تک اس سبب کو انسان ''علت حقیقیہ'' نہ سمجھے، اور جب تک یہ بات نہ ہو کہ یہی سبب کام بنانے والا ہے۔

نگاہ مسبب الاسباب پر ہو

اگر اسباب کے ساتھ نگاہ مسبب کی طرف بھی ہے، تو پھر کوئی بھی تدبیر اختیار کرو، مضائقہ نہیں، چاہے علاج کرو، چاہے حفظ ماتقدم کی تدبیریں کرو، چاہے کوئی اور سبب اختیار کرو، کوئی چیز مضر نہیں، اور نہ ہی توکل کے خلاف ہے۔ جب تک دل میں یہ بات ہو کہ اصل تاثیر دینے والا ''اللہ'' ہے، اس کی تاثیر کے بغیر کوئی سبب مؤثر نہیں ہوسکتا ــــــ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ ایسا شخص تدبیر سنت سمجھ کر کرتا ہے۔ اور اس کی نگاہ اس تدبیر کی طرف نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نگاہ مسبب الاسباب کی طرف ہوتی ہے، یہ ہے ''توکل'' اور بعد میں انجام کیا ہوتا ہے؟ تدبیر کامیاب ہوتی ہے، یا ناکام ہوتی ہے، اس بارے میں وہ معاملہ اللہ کے حوالے کردے کہ جو مانگا تھا، وہ ملتا ہے، یا نہیں ملتا، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کریں گے، میں اس پر راضی ہوں یہ ہے ''تفویض''

منزل سے بے نیاز ہو جاؤ

بنا کر بے نیازِ راہ و منزل
کوئی لے جا رہا ہے جا رہا ہوں

یعنی مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ منزل ملے گی یا نہیں ملے گی؟ میں نے اپنی دانست میں جو صحیح راستہ تھا، وہ اختیار کرلیا ہے، اس کے بعد مجھے منزل ملتی ہے یا نہیں؟ اس کی مجھے پرواہ نہیں

یابم اورا نیابم جستجوئے می کنم

مجھے وہ ملیں یا نہ ملیں، میں جستجو کر رہا ہوں ____ یہ جستجو کرنا اور تدبیر اختیار کرنا بذات خود مقصود ہے، اور انسان کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر کرلے، یہ ''تفویض'' ہے، اور جس دن ''تفویض'' حاصل ہوگئی، بس اس دن راحت حاصل ہوگئی، دنیا میں راحت حاصل کرنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہیں ____ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں تفویض عطا فرمادے اور توکل بھی عطا فرمادے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

❁❁❁
❁

لا إله إلا الله محمد رسول الله

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا حکم سمجھ کر تفویض اختیار کرو

مجلس نمبر 108

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	108

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

memonip@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا حکم سمجھ کر تفویض اختیار کرو

مجلس نمبر 108

الحمدللهِ ربّ العالمين، والعاقبة للمتقين، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ رسوله الكريم، وعلىٰ آله وأصحابه اجمعين۔ امابعد:

تفویض

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تفویض سے بڑھ کر راحت کا ذریعہ دنیا میں کوئی نہیں، مگر راحت کی نیت سے تفویض کرنا دین نہیں، بلکہ دنیا ہے، حقیقی تفویض وہ ہے جس میں یہ بھی قصد نہ ہو کہ اس سے چین ملے گا، بلکہ محض رضاحق کا ارادہ ہو''۔ (انفاس عیسی، ص ۲۱۹)

کئی دن سے تفویض کا بیان چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کر دینا کہ اے اللہ! آپ ہی اس بات کو جانتے ہیں کہ کونسی چیز میرے حق میں بہتر ہے اور کونسی چیز میرے حق میں بہتر نہیں۔ میں اپنی طرف سے تدبیر کرنے کے بعد اور دعا کرنے کے بعد اپنا معاملہ آپ کے حوالے کرتا ہوں، آپ جو فیصلہ کریں گے، وہ فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔ اور

میں اس پر راضی رہوں گا، یہ ہے حاصل تفویض کا۔

تجویز کے نتیجے میں تکلیف ہوگی:

چنانچہ اس ملفوظ میں حضرت والا فرمارہے ہیں کہ: "تفویض سے بڑھ کر راحت کا ذریعہ دنیا میں کوئی اور نہیں کہ آدمی تفویض اختیار کرے، یعنی اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کردے کہ جو کچھ وہ میرے حق میں فیصلہ کریں گے وہ بہتر ہوگا، کیونکہ اگر تم تفویض اختیار نہیں کرو گے تو اس کی ضد "تجویز" ہے، اور تجویز کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے آدمی یہ طے کرلے یہ معاملہ اس طرح ہونا چاہئے، فلاں معاملہ اس طرح ہونا چاہئے۔ فلاں ملازمت ملنی چاہئے، اور اتنی تنخواہ ملنی چاہئے، میرا گھر ایسا ہونا چاہئے، میری گاڑی ایسی ہونی چاہئے، ایسے اسباب راحت ہونے چاہئیں، دل میں اپنی طرف سے تجویز کر رکھا ہے، اب جو تجویز خود سے کر رکھی ہے، کیا اس تجویز کے مطابق ہر چیز مل جائے گی؟ نہیں ملے گی، کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا صاحب اقتدار، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ جو میں چاہتا ہوں، وہ ہوجاتا ہے۔ بلکہ تم جو اپنے لئے تجویز کرو گے کہ مجھے فلاں چیز مل جائے۔ فلاں چیز مل جائے۔ تو اس میں سے کچھ تو مل جائے گا، اور کچھ نہیں ملے گا، اور اب جبکہ دل میں تو یہ خواہش ہے کہ فلاں چیز مل جائے، اور وہ چیز نہیں ملی، تو اس کے نتیجے میں صدمہ اور غم اور تکلیف ہوگی۔

پھر تو راحت ہی راحت ہے:

یاد رکھو! یہ صدمہ، غم اور تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب انسان کی

خواہش پوری نہ ہو، اور جب خواہش ہی کوئی نہیں، بلکہ معاملہ اللہ کے حوالے کر رکھا ہے کہ یا اللہ، آپ جو میرے حق میں کریں گے، وہ میرے لئے بہتر ہوگا اور میں اس پر راضی ہوں، پھر صدمہ اور تکلیف نہیں ہوگی ___ پھر تو راحت ہی راحت ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اس ماہ مجھے ایک لاکھ روپے ملنے چاہئے، اب ایک لاکھ روپے حاصل کرنے کی کوشش کی، تدبیر بھی کی، اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی، لیکن ساتھ ہی دل میں یہ اعتقاد ہے کہ یا اللہ! میرے حق میں خیر ہوگا تو آپ دلوادیں گے، اور اگر میرے حق میں خیر نہیں ہوگا، تو نہیں دلوائیں گے، اور میں آپ کے فیصلے پر راضی ہوں، جو آپ فیصلہ کریں گے، وہی بہتر ہے ___ اب وہ ایک لاکھ روپے نہیں ملے، تو اب صدمہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر نہیں ملیں گے تو بھی میں اس پر راضی ہوں گا۔

ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی:

لیکن اگر ''تفویض'' کی صفت حاصل ہے، تو اس وقت یہ ہوگا کہ بیشک میری یہ خواہشات ہیں۔ لیکن یا اللہ! فیصلہ آپ ہی کا برحق ہے۔ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ خیر ہوگا، میں اس پر راضی ہوں۔ جب یہ بات ہوگی تو پھر اگر کوئی خواہش پوری نہیں ہوگی تو اس پر کوئی صدمہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم نے تو پہلے ہی یہ معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا تھا، اب اس صورت میں تکلیف نہیں ہوگی۔ معمولی سا صدمہ ہوسکتا ہے، کہ میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ لیکن وہ تکلیف کے درجہ میں نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ تفویض کر رکھی ہے۔ اس لئے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ اس

کائنات میں تفویض سے بڑھ کر کوئی نسخہ راحت حاصل کرنے کا نہیں۔ اس لئے اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دو۔ بس۔ وہ جانے، ان کا کام جانے۔

جبری تفویض کو اختیاری تفویض بنالو:

حقیقت تو یہ ہے کہ کبھی نہ کبھی تو جبری طور پر تفویض کرنا ہی پڑتا ہے، کیونکہ تفویض کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ لیکن آپ اس ''جبری تفویض'' کو ''اختیاری تفویض'' بنالو، اور اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ! جو بھی آپ فیصلہ کریں گے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ آپ کا فیصلہ برحق ہے، بس! اس سے آپ کو راحت حاصل ہو جائے گی۔

تجویز میں تکلیف ہے:

اس لئے کہ ساری تکلیف اپنی طرف سے تجویز کرنے کی وجہ سے ہوتی ہیں کہ فلاں کام اس طرح ہو جائے۔ فلاں کام یوں ہو جائے اور ضرور ہو جائے۔ پھر جب اس کے خلاف ہوتا ہے تو صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جب معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا تو اب کوئی تکلیف نہیں۔ بہرحال! راحت تفویض ہی میں ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ پرسوں میں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنایا تھا کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہی نہیں ـــــــ لوگوں نے

اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوگیا۔ یہ چیز تو بڑے بڑے پیغمبروں کو حاصل نہیں ہوتی کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو، انہوں نے جواب دیا کہ دراصل میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ کی مرضی، وہی میری مرضی۔ وہ اگر یہ چاہ رہے ہیں کہ مجھے زخم لگے تو میری مرضی بھی یہی ہے۔ وہ اگر چاہ رہے ہیں کہ مجھے صدمہ ہو۔ میری مرضی بھی یہی ہے۔ اس لئے سب کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں۔ بہر حال! راحت اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

راحت کی نیت سے تفویض مت کرو:

لیکن ایک باریک نکتہ حضرت والا آگے بیان فرما رہے ہیں کہ: وہ یہ کہ تفویض جو کرو، وہ راحت حاصل کرنے کی نیت سے مت کرو، بلکہ اللہ کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے تفویض کرو، کیونکہ اگر راحت حاصل کرنے کی نیت سے تفویض کرو گے تو یہ دنیاداری ہوگئی، دین داری نہ ہوئی، اللہ کی رضا مقصود نہ ہوئی۔ مزہ اور لذت حاصل کرنی مقصود ہوگئی۔

نماز سے مقصود اللہ کی رضا ہے:

اسی سے وہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یہ جو نماز اور دوسری عبادات ہیں، ان سے مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے، لہٰذا اس فکر میں مت پڑو کہ نماز میں مزہ آتا ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، مگر مزہ ہی نہیں آتا۔ ارے بھائی! کیا مزہ حاصل کرنے کی خاطر نماز پڑھ رہے تھے؟ نماز تو اللہ کو راضی کرنے کے لئے پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا اس فکر میں نہ رہو کہ اس میں مزہ آرہا ہے، یا نہیں آرہا ہے۔ بلکہ اگر مزہ نہیں آرہا ہوگا۔ مگر تم پھر بھی اللہ کو راضی کرنے

کے لئے نماز پڑھتے رہو گے تو اس میں اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ وہ نماز اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگی۔ اس لئے کہ باوجودیکہ نماز پڑھنا اس کو مشکل لگ رہا تھا۔ نماز میں مشقت محسوس ہو رہی تھی، اور اس کو مزہ نہیں آرہا تھا، اس کے باوجود یہ بندہ میرے حکم کی اطاعت میں کھڑا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو اجر و ثواب بھی زیادہ دوں گا۔

قابل مبارکباد شخص:

اس وجہ سے نماز کے اندر مزہ حاصل ہونے کی فکر مت کرو۔ ہاں، اگر کبھی مزہ آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام تصور کرو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، لیکن اگر نماز کے اندر مزہ نہیں آیا تو اس کی وجہ سے یہ مت سمجھو کہ میری نماز بیکار ہوگئی، کیونکہ نماز پڑھنے سے مقصود مزہ حاصل کرنا تھا ہی نہیں ____ سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''جس شخص کو ساری عمر نماز میں مزہ نہ آیا، پھر بھی وہ ساری زندگی نماز پڑھتا رہا، میں اس کو دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کی عبادت مکمل اخلاص والی عبادت ہے''۔

کیونکہ جس شخص کو نماز میں مزہ آرہا ہو، اس کے بارے میں خطرہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص جو نماز پڑھ رہا ہے، یہ مزہ حاصل کرنے کے لئے پڑھ رہا ہے۔ اگر مزہ کے لئے پڑھ رہا ہے تو پھر اخلاص نہ ہوا۔ وہ نماز اللہ کے لئے نہ ہوئی۔ لیکن جس شخص کو نماز میں مزہ نہیں آرہا ہے۔ اس کے باوجود وہ پابندی سے نماز پڑھا جا

رہا ہے، اس کے اندر اخلاص کے سوا اور کیا ہوگا؟

مزہ کی خاطر نماز نہ پڑھے:

لہٰذا اگر کبھی نماز کے دوران خشوع خضوع طاری ہو جائے۔ اور لطف آ جائے، یا کیفیت طاری ہو جائے، یا رونا آ جائے، تو یہ بہت اچھا ہے، نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، لیکن اگر کبھی ایسا نہ ہو تو یہ مت سمجھو کہ میری نماز قبول نہیں ہو رہی ہے۔ اور میری یہ نماز بیکار جا رہی ہے، اور جو میرا مقصد حاصل ہو رہا تھا، وہ اب حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور شاید اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت میں کمی آ گئی ہے بہت سے لوگ مجھے خط کے اندر یہی باتیں لکھتے ہیں ـــــ خوب سمجھ لیں کہ اس کے نتیجے میں نہ مقبولیت میں کمی آتی ہے، اور نہ ہی انسان راندہ درگاہ ہوتا ہے، اگر مزہ نہیں آ رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بس شرط یہ ہے کہ انسان کام نہ چھوڑے، نماز نہ چھوڑے، بلکہ یہ عزم کرے کہ نماز میں مزہ آئے تو بھی پڑھوں گا، مزہ نہ آئے تو بھی پڑھوں گا، کیونکہ مقصود تو اللہ کو راضی کرنا ہے، اور اللہ کے حکم کی اطاعت ہے ـــــ بس یہ کرتے رہو، بیڑہ پار ہو جائے گا۔

ایک لطیفہ:

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات ہنسی مذاق کی بات بھی کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب آئے، اور کہا کہ حضرت! میں کیا کروں، نماز میں مزہ ہی نہیں آتا۔ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ مزہ تو مذی میں ہے ـــــ نماز میں کہاں مزہ تلاش کر رہے ہو ـــــ مطلب یہ تھا کہ نماز اس لئے پڑھنا کہ نماز میں لطف اور مزہ آئے، ارے اللہ تعالیٰ نے نماز لطف اور مزہ کے لئے

نہیں رکھی، بلکہ نماز تو اللہ کی اطاعت کے لئے ہے، جب تک تم اطاعت کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقصود حاصل ہے۔

مزہ کی خاطر دوبارہ نماز پڑھنا:

بہر حال! جس طرح نماز میں مزہ آنے لگے، اور سرور طاری ہو جائے، اور کیف آنے لگے تو یہ اللہ کی نعمت ہے۔ لہٰذا اس پر شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دیدی۔ لیکن اگر مزہ نہ آئے، سرور طاری نہ ہو تو اس کی وجہ سے نماز کو بیکار مت سمجھو، نماز پھر بھی نماز ہے ـــــ اب اگر کسی کو نماز میں مزہ آیا، اور اس نے سوچا کہ آج دوبارہ اس مزہ کو حاصل کرنے کی خاطر نماز پڑھتے ہیں، تو اب نماز پڑھنے کا مقصود ''مزہ'' حاصل کرنا ہو گیا، اب اخلاص نہ رہا، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہ رہا ـــــ تو جس طرح نماز کے اندر مزہ کو مقصود بنانا، نماز کو غارت کر دیتا ہے، اسی طرح اگر چہ ''تفویض'' سے راحت حاصل ہوتی ہے، لیکن تفویض کا مقصود ہی راحت کو قرار دیدینا کہ میں اس لئے تفویض کر رہا ہوں، تاکہ مجھے راحت ملے، تاکہ آرام ملے تو یہ غلط ہے، بلکہ تفویض صرف اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے، ہاں، اگر اس تفویض کے نتیجے میں راحت حاصل ہو جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے، اس پر شکر ادا کرو، لیکن راحت کی خاطر تفویض مت کرو۔

بڑھ گئی اور خلش ترکِ تمنا کر کے:

میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی صاحب مرحوم، شاعر تھے، اور شعر میں تصوف کی باتیں بھی کہا کرتے تھے۔ اسی مضمون پر ان کا ایک شعر ہے کہ:

حسرتِ ترکِ تمنا بھی تمنا نکلی

بڑھ گئی اور خلش ترکِ تمنا کر کے

یعنی تفویض کے معنی ہیں ''تمنا کو ترک کر دینا'' تو اس تفویض کو حاصل کرنے کی تمنا کرنا، تا کہ مجھے تفویض حاصل ہو جائے، یہ بھی ایک تمنا ہے، اب جو میں نے تمنا کو ترک تو کیا، لیکن اللہ کی خاطر نہیں کیا۔ بلکہ مزہ حاصل کرنے کے لئے کیا تو اس کے نتیجے میں بجائے راحت حاصل ہونے کے اور خلش بڑھ گئی۔

تین ترک:

صوفیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی باریک بین نگاہ عطا فرمائی ہے، چنانچہ صوفیاء کے یہاں تین ''ترک'' مشہور ہیں: ① ترک دنیا ② ترک عقبیٰ ③ ترکِ ترک، ایک تو دنیا کو ترک کرنا۔ اور دنیا کو ترک کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے، اس کو ختم کر دو ـــــــ نہیں، بلکہ ترک دنیا کا مطلب ہے، دنیا کی محبت دل سے نکال دینا ـــــــ پھر فرمایا ترکِ عقبیٰ، ترک عقبیٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو عبادت کرے وہ اس نیت سے نہ کرے کہ مجھے اس کے بدلے میں جنت کے اندر پھل ملیں گے، اور اس میں بڑا مزہ آئے گا ـــــــ بلکہ عبادت صرف اللہ کی رضا کے لئے کرے، ترکِ عقبیٰ کے یہ معنی ہیں۔

ترکِ ترک کی حقیقت:

تیسری چیز ہے ''ترکِ ترک'' یعنی یہ جو دنیا کی محبت چھوڑی ہے، اسے چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ کہ میں نے یہ چیز ترک کر دی ہے۔ اسی کو ''ترکِ ترک'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اگر اس ترک کا خیال دل میں آ گیا تو وہ بھی طلب دینا ہو جائے گی ـــــــ اب سوال یہ ہے کہ یہ بہت باریک بات کیسے

حاصل ہو؟ کہ دنیا بھی چھوڑی، دنیا کی محبت بھی چھوڑی، اور عقبیٰ کو بھی چھوڑا، اور اب اسے چھوڑنے کے خیال کو بھی چھوڑ دیں؟ یہ کیسے حاصل ہوگا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ یہ کیسے حاصل ہوسکتی ہے، فرمایا کہ جب تم سوجاتے ہو، تو اس وقت تم دنیا سے بے خبر ہوجاتے ہو، اور تمہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ تمہارے آس پاس کیا ہورہا ہے، لیکن اگر تمہیں اس وقت یہ پتہ ہو کہ میں سورہا ہوں، یہ سونا ہوگا؟ نہیں، بلکہ وہ کچی نیند ہے، کیونکہ آپ کو پتہ ہے کہ میں سورہا ہوں، اصلی نیند اس وقت ہوگی جب آدمی کو یہ بھی پتہ نہ ہو کہ میں سورہا ہوں۔ سونے کا احساس بھی ختم ہوجائے، تب حقیقت میں پکی نیند اور پکا سونا ہوگا۔ اس کا نام ''ترکِ ترک'' ہے، یعنی محبت دنیا بھی چھوڑی، اور محبت دنیا چھوڑنے کا احساس اور خیال بھی چھوڑو، تب حقیقت میں ''ترکِ دنیا'' ہوگی، ورنہ اگر تمہارے دل میں یہ احساس ہے کہ میں بڑا زاہد ہوں، میں نے دنیا چھوڑ رکھی ہے، یہ تو ''ترک دنیا'' کا دھوکہ ہے، حقیقت میں ''ترکِ دنیا'' نہ ہوئی۔

تمام صفات میں ترکِ ترک ہونی چاہئے:

جیسے ''تواضع'' کی صفت ہے، تواضع کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھنا، یہ اس وقت صحیح ہوتی ہے جب آدمی واقعۃً اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھ رہا ہو، اور اس کو یہ خیال بھی نہ ہو کہ میں تواضع اختیار کررہا ہوں، اگر کوئی شخص یہ سوچ کر تواضع کرے کہ میں تواضع اختیار کررہا ہوں، تو وہ حقیقت میں تواضع نہ ہوئی۔ بلکہ تواضع کا دھوکہ ہوگیا ـــــ اسی کا نام ''ترکِ ترک'' ہے ـــــ اسی طرح انسان ''تفویض'' اختیار کرے، اور اس کو یہ خیال بھی نہ ہو کہ اس کے

ذریعے مجھے راحت حاصل ہو جائے گی، اسی طرح ترکِ دنیا ہو، لیکن ترکِ دنیا ہونے کا بھی احساس نہ ہو____ یہ صوفیاء کرام کی باریک باتیں ہیں____ یہ حضرات نفسیات کی بڑی گہری باتیں بتاتے ہیں۔

ہر کام اللہ کیلئے کرو:

خلاصہ یہ ہے کہ ''تفویض'' اختیار کرو، لیکن راحت حاصل کرنے کی نیت سے ''تفویض'' مت کرو____ یہ بات تمام عبادات پر عائد ہوتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھو تو صرف اللہ کی رضا کے لئے پڑھو، روزہ رکھو تو محض اللہ کی رضا کے لئے رکھو، مزہ حاصل کرنے اور لذت حاصل کرنے کی غرض سے نہ رکھو، مثلاً اگر کوئی شخص یہ سوچ کر روزہ رکھے کہ روزہ رکھنے سے صحت اچھی ہو جائے گی، پیٹ درست ہو جائے گا، اور شام کو افطاری کے وقت بڑی لذت حاصل ہو جائے گی، تو اس صورت میں وہ روزہ نہ ہوا، روزہ وہ ہے جو اللہ کے لئے رکھا جائے، چاہے اس سے پیٹ درست ہو جائے، اور افطاری میں لذت حاصل ہو جائے، لیکن یہ مقصود نہ ہو---- یہی بات حضرت والا اس ملفوظ میں بیان فرما رہے ہیں کہ ''راحت کی نیت سے تفویض کرنا دین نہیں، بلکہ دنیا ہے۔ حقیقی ''تفویض'' وہ ہے جس میں یہ بھی قصد نہ ہو کہ اس سے چین ملے گا۔ بلکہ محض رضاءِ حق کا قصد ہو''

اسلام کی حقیقت:

آگے ایک اور ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

''اسلام کی حقیقت ''تفویض'' ہے، جو تمام حالات کو شامل ہے، خواہ حالات آفاقیہ ہوں، خواہ حالات انفسیہ ہوں، پھر

انفسیہ میں خواہ حسیہ ہوں، جیسے مرض وصحت اور قوت وضعف، خواہ باطنیہ ہوں، جیسے قبض وبسط، ہیبت وانس، اور محبت وشوق وامثالہا، سب کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے''

(انفاس عیسیٰ ص ۲۲۰)

فرمایا کہ: ''اسلام کی حقیقت تفویض ہے'' یعنی اسلام کے عربی زبان میں تقریباً وہی معنی ہیں جو تفویض کے ہیں، اس لئے کہ اسلام کے معنی ہیں'' اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دینا:

اَسۡلَمۡتُ نَفۡسِیۡ لِلّٰہِ ربّ الۡعَالَمِیۡنَ

میں نے اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے سپرد کر دیا۔

یہ ہے اسلام، لہٰذا جو معنی تفویض کے ہیں، وہی معنی اسلام کے ہیں۔

آفاقی حالات میں تفویض:

آگے فرمایا کہ ''جو تمام حالات کو شامل ہے'' یعنی ہر حالت میں تفویض اختیار کرے، ہر معاملہ اللہ کے حوالے کرے، اور تقدیر پر راضی رہے، ''خواہ حالات آفاقیہ ہوں''، آفاقی حالت جیسے گرمی لگ رہی ہے، تو اس وقت تفویض اختیار کرو کہ اللہ کو ایسا ہی منظور ہے، اس لئے گرمی ہو رہی ہے، اور میں اس پر راضی ہوں، سخت سردی پڑ گئی تو اللہ کی مرضی ایسی ہی ہے، میں اس پر راضی ہوں'' البتہ دعا مانگنا تفویض کے خلاف نہیں۔ مثلاً یہ دعا کی کہ یا اللہ! گرمی بہت لگ رہی ہے، اپنی رحمت سے گرمی کو دور فرما دیجئے، یا اللہ! بارش نہیں ہوئی، بارش عطا فرما دیجئے ____ یا اللہ! سردی بہت ہو گئی ہے۔ اس میں کمی کر دیجئے ____ لہٰذا دعا

مانگنا تفویض کے خلاف نہیں۔ لیکن دعا کرنے کے بعد جو کچھ پیش آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق قرار دینا اور اُسی میں بہتری سمجھنا تفویض ہے۔

نفسی حالات میں تفویض:

خواہ ''نفسی'' حالات ہوں، یعنی انسان کے اپنے جسم میں پیدا ہونے والے حالات، جیسے کہ کبھی کوئی بیماری آگئی، کبھی صحت آگئی، اور کبھی قوت آگئی، اور کبھی ضعف آگیا، ان حالات میں علاج ضرور کرے، تدبیر ضرور کرے، لیکن اگر شفا حاصل ہونے میں دیر لگ جائے تو پھر اس کو اللہ کے حوالے کرے کہ میرے لئے اسی میں خیر ہے ____ خواہ ''باطنی'' حالات ہوں، جیسے قبض وبسط، یعنی کبھی تو خوب نماز کا، عبادتوں کا ذوق اور شوق پیدا ہو رہا ہے، اور کبھی انقباض ہو رہا ہے، اور طبیعت عبادات کی طرف نہیں چل رہی ہے، اور پانچ وقت نماز پڑھنا مشکل ہو رہا ہے، مسجد تک جانا مشکل ہو رہا ہے، یہ سب ''قبض'' کے نتیجے میں پیش آرہے ہیں ____ اور ''بسط'' کے معنی یہ ہیں کہ نماز کی طرف خوب رغبت ہے، اور بڑی خوشی سے مسجد کی طرف جا رہا ہے، یہ سب حالات انسان پر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ____ ان سب حالات میں ''تفویض'' مطلوب ہے۔

مسجد جانا نہ چھوڑے

لہٰذا اگر کبھی طبیعت عبادت کی طرف نہیں چل رہی ہے اور نماز کے لئے مسجد کی طرف جانے کا شوق نہیں ہو رہا ہے تو اس کو بھی اللہ کے حوالے کر دو کہ یا اللہ! یہ کیفیت بھی آپ کی پیدا کردہ ہے، آپ ہی کا فیصلہ ہے، اور میں آپ کے

اس فیصلے پر راضی ہوں ــــــ لیکن اصل بنیادی بات یہ ہے کہ نماز کے لئے مسجد جانا نہ چھوڑے، چاہے قبض ہو، یا بسط ہو، طبیعت میں انقباض ہو، یا بشاشت ہو، مسجد کی طرف جانے کا دل نہیں چاہ رہا ہے، اور طبیعت پر گرانی ہو رہی ہے، اس وقت یہ کہو کہ میں ضرور مسجد جاؤں گا، چاہے میرے دل پر آرے چل جائیں۔ چاہے میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ جائے، لیکن مسجد ضرور جاؤں گا ــــــ اگر یہ کام کرلیا تو پھر قبض کی وہ کیفیت جو تمہارے لئے نقصان دہ ہو رہی تھی، وہ کیفیت تمہارے لئے مزید اجر وثواب کا باعث بن جائے گی۔ انشاء اللہ

بہار ہو کہ خزاں لا اِلٰہ الا اللہ

اقبال بعض اوقات بڑی حکیمانہ بات کہتے ہیں، ان کا ایک شعر ہے کہ:

یہ نغمہ فصل گلِ و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

چاہے موسم کیسا بھی ہو، ہر وقت لا الہ الا اللہ پڑھنا ہے، یہ نہیں کہ جب پھولوں کا اور بہار کا موسم آئے گا تو لا الہ اِلا اللہ پڑھیں گے، جب خزاں کا موسم آئے گا تو نہیں پڑھیں گے، نہیں۔ بلکہ ہر حالت میں، ہر موسم میں کلمہ لا الہ الا اللہ'' پڑھیں گے، چاہے پڑھنے میں مزہ آرہا ہو، چاہے پڑھنے میں تکلیف ہو رہی ہو، چاہے ایسے حالات ہوں، جس میں اللہ کا نام لینے کی آزادی ہو، چاہے ایسے حالات ہوں، جس میں اللہ کا نام لینے میں خطرات ہوں، لیکن ہر حالت میں اللہ کا نام ''لا الہ الا اللہ'' لیتے رہو اور اللہ کی عبادت کرتے رہو۔

اللہ کے بندے بنو:

لہٰذا یہ نہ ہو کہ جب دل چاہا، تب تو نماز پڑھ لی، اور جب دل نماز پڑھنے کو نہیں چاہا تو نماز چھوڑ بیٹھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دل کے بندے بن گئے، اللہ کے بندے تو نہ ہوئے ____ لہٰذا چاہے دل چاہ رہا ہو، یا نہ چاہ رہا ہو، مشقت ہو رہی ہو، یا تکلیف ہو رہی ہو، ہر حالت میں اللہ کی طرف متوجہ رہو، اس وقت تمہارا امتحان ہے کہ تمہارے دل پر آرے چل رہے ہیں، بستر سے اٹھا نہیں جا رہا ہے، اور طبیعت کسمسا رہی ہے، طبیعت کسل مند ہو رہی ہے۔ لیکن کان میں ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح'' کی آواز آ گئی اور آواز سن کر مسجد کی طرف چل پڑے تو بس تم کامیاب ہو گئے، چاہے بے دلی کے ساتھ نیند کی حالت میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، تب بھی تم کامیاب گئے۔

شیطان نے تمہیں چت کر دیا:

لیکن اگر تم نے اس وقت مسجد کی طرف جانے کو ترک کر دیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے تمہیں چت کر دیا، اس لئے کہ تم نے اس کی بات مان لی ____ بہر حال! قبض ہو کہ بسط ہو، دل چاہے، یا نہ چاہے، نماز میں مزہ آئے، یا نہ آئے، لیکن ہر حال میں اللہ کے حکم کی اطاعت کرنی ہے، بس، یہی سارے دین کا خلاصہ ہے، اگر یہ بات ہمارے ذہن میں بیٹھ جائے تو انشاء اللہ، سارے دین پر عمل آسان ہو جائے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

اللہ أکبر اللہ أکبر

لا إلٰہ إلا اللہ

واللہ أکبر

اللہ أکبر

وللہ الحمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توکل کی حقیقت

مجلس نمبر 109

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
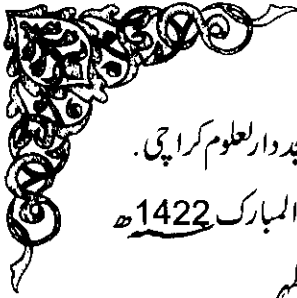
مقام خطاب	:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی.
تاریخ خطاب	:	رمضان المبارک 1422ھ
وقت خطاب	:	بعد نماز ظہر
اصلاحی مجالس	:	جلد نمبر 7
مجلس نمبر	:	109

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

memonip@hotmail com
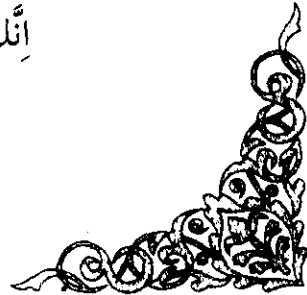
بسم اللہ الرحمن الرحیم

توکل کی حقیقت

مجلس نمبر 109

الحمدللّٰہِ ربّ العالمین، والعاقبة للمتقین، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رسوله الکریم، وعلی آله وأصحابه اجمعین۔ وعلی کل من تبعهم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد:

ترک اسباب کی حقیقت:

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ترکِ اسباب کی حقیقت یہ ہے'' ترکِ اسباب مظنونہ غیر مامور بہا، یعنی جن اسباب پر مسبب کا ترتب عادۃً یقینی اور قطعی نہ ہو، اور شرعاً وہ واجب بھی نہ ہو، ان کو ترک کر دینا جائز ہے، باقی جن اسباب پر عادۃً مسببات کا ترتب یقینی ہے، ان کا ترک جائز نہیں، مثلاً عادۃً کھانا کھانے پر شبع کا ترتب، اور پانی پینے پر سیرابی کا ترتب، اور اسباب مظنونہ کا ترک بھی اس شخص کو جائز ہے جو خود بھی قوی الہمت ہو، اور

اس کے اہل وعیال بھی، یا اس کے اہل وعیال ہی نہ ہوں،
اسی طرح اسباب ماموربہا کا ترک توکل نہیں، کیونکہ وہ سب
اسباب قطعیہ یقینیہ ہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۲۱)

یہ چند مختصر جملوں نے حضرت والا قدس اللہ سرہ نے ''توکل'' کی حقیقت، اور صوفیاء کرام سے توکل کے بارے میں جو واقعات منقول ہیں، ان کی حقیقت بیان فرمادی۔

توکل معنی:

پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ توکل کے معنی ہیں: ''اللہ پر بھروسہ کرنا'' یعنی یہ یقین رکھنا کہ جتنے بھی اسباب ہیں، ان اسباب میں کچھ بھی نہیں رکھا، ان اسباب میں اللہ تعالیٰ جب تاثیر پیدا فرمائیں گے تو تاثیر ہوگی، ورنہ نہیں ہوگی، لہذا بھروسہ اس سبب نہیں، بلکہ بھروسہ مسبب الاسباب یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پر ہے، جیسے ایک آدمی روزگار تلاش کررہا ہے، تو اب اس لئے اسباب بھی اختیار کررہا ہے، وہ یہ کہ مختلف جگہوں پر ملازمت کے لئے درخواستیں دے رہا ہے، لیکن ان درخواستوں پر بھروسہ نہیں ہے، بلکہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ درخواست بھیجنا تو ایک سبب ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اس میں تاثیر ڈال دی تو فائدہ ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا، اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔

میں دوا کرتا ہوں، شفا اللہ دیگا:

یا مثلاً ایک شخص بیمار ہوا، اور علاج کے لئے ایک اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا، اس ڈاکٹر نے نسخہ لکھا اور آپ نے دوا منگوائی، اور دوا استعمال کرلی، یہ

سب تدابیر اور اسباب ہیں۔ لیکن ان اسباب پر بھروسہ نہیں، بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے کہ نہ ڈاکٹر کے اندر کچھ رکھا ہے، نہ دوا میں کچھ رکھا ہے، نہ کسی نسخہ میں کچھ رکھا ہے، بلکہ اصل میں شفا دینے والا وہ ہے ____ ہمارے ڈاکٹر نذیر صاحب یہاں بیٹھے ہیں، انہوں نے اپنے مطب میں ایک خوبصورت جملہ لکھوا رکھا ہے، مجھے بہت پسند آیا، وہ یہ کہ:

''میں دوا کرتا ہوں، آپ دعا کرو، اللہ شفاء دے گا''

یعنی میرا کام ہے دوا کرنا، تمہارا کام ہے دعا کرنا، اور شفاء دینے والی ذات اللہ ہے، بس یہ ہے ''توکل'' یعنی تدبیر تو کر لی، لیکن اس تدبیر پر بھروسہ نہیں، بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہے۔

اسباب کا ترک کرنا توکل نہیں:

لہٰذا توکل کے اندر یہ نہیں ہوتا کہ آدمی اسباب کو چھوڑ کر بیٹھ جائے، یعنی نہ ڈاکٹر کے پاس جائے اور اگر جائے اور وہ ڈاکٹر نسخہ لکھ دے تو دوا نہ منگوائے، اور اگر دوا آ جائے تو آدمی دوا نہ کھائے، اور پھر یہ کہے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، وہ مجھے شفاء دے گا۔ یہ توکل نہیں، یا ملازمت کے لئے نہ تو درخواست دی، نہ ملازمت کی تلاش میں بھاگ دوڑ کی، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھ گئے اور یہ سوچا کہ اللہ میاں خود ہی رزق بھیج دے گا، یہ ترکِ اسباب توکل کا حصہ نہیں۔

اونٹ کو رسی سے باندھ کر پھر توکل کرو:

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حقیقت بیان فرمادی، وہ یہ کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! بعض اوقات میں

اونٹنی پر سفر کرتا ہوں، سفر کے دوران مجھے کہیں نماز کے لئے یا دوسری ضرورت کے لئے رکنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس وقت مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہو جاؤں، اور اونٹنی بھاگ جائے، تو کیا اس وقت میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اونٹنی کو ویسے ہی چھوڑ دوں؟ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری اونٹنی کی حفاظت کریں گے، یا اس اونٹ کی پنڈلی کو رسی سے باندھ دوں، تاکہ وہ بھاگ نہ جائے؟ جواب میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِعْقِلْ سَاقَهَا وَتَوَكَّلْ

پہلے اس اونٹنی کی پنڈلی کو رسی سے باندھو، اور پھر اللہ پر توکل کرو ____

اپنے حصے کا کام تم کرو:

اس حدیث شریف کے ذریعہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی تمہارا کام ہے۔ اپنے حصے کا کام تم کرو، اور باقی کو اللہ کے حوالے کر کے اس پر بھروسہ کرو، مثلاً اونٹ کی پنڈلی کو اچھی طرح رسی سے باندھ دیا، اب باندھنے کے بعد یہ وہم نہ کرو کہ اگر اونٹنی رسی توڑ کر بھاگ جائے گی تو کیا ہوگا؟ کوئی چور آ کر رسی کاٹ کر اونٹنی کو لے جائے گا تو کیا ہوگا؟ ان اوھام کے اندر نہ پڑو۔ بلکہ تمہارے اختیار میں جو سبب ہے، وہ اختیار کر کے پھر اللہ پر بھروسہ کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد جو کچھ کریں گے اس میں خیر ہوگی ---- بہر حال! اسباب اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں، بلکہ اسباب اختیار کرنا توکل کا ایک حصہ ہے۔

بعض صوفیاء کا ترک اسباب کرنا:

البتہ بعض صوفیاء اکرام سے منقول ہے کہ انہوں نے اسباب کو بالکل ترک کر دیا، مثلاً نہ انہوں نے روزگار تلاش کیا، نہ محنت کی، بلکہ اطمینان سے بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہیں، اور اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رزق بھیج دے گا، اس طرح انہوں نے اسباب کو بالکل ترک کر دیا، کیا ان صوفیاء کا یہ طرز عمل شریعت کے خلاف ہے؟ ____ اس کے جواب کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسباب کو ترک کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

اسباب یقینیہ کا ترک جائز نہیں:

فرمایا کہ: اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک اسباب وہ ہوتے ہیں جس پر نتیجہ کا ترتب تقریباً قطعی اور یقینی ہوتا ہے، مثلاً بھوک لگ رہی ہے، اور کھانا سامنے موجود ہے، اب کھانا کھاؤ گے تو اس کے نتیجے میں بھوک مٹ جائے گی، لہٰذا کھانا کھانا سبب ہے، اور بھوک مٹنا اس کا نتیجہ ہے۔ جس کو اصطلاح میں مسبب کہا جاتا ہے۔ اب یہاں سبب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ کا حصول یقینی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ____ یا مثلاً پیاس لگ رہی ہے اور پانی موجود ہے، اور پانی پینا پیاس بجھنے کا یقینی سبب ہے، ان کو اسباب یقینیہ کہا جاتا ہے، حضرت والا فرما رہے ہیں کہ اسباب یقینیہ کو ترک کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں، لہٰذا اگر کھانا موجود ہے اور بھوک لگ رہی ہے، لیکن پھر بھی کھانا نہ کھائے کہ میں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر رہا ہوں، کھانا کھائے بغیر اللہ تعالیٰ ویسے ہی میری بھوک مٹا دے گا۔ ایسا توکل

کرنا حرام ہے، گناہ ہے۔ اگر اس حالت میں بھوک کی وجہ سے مر جائے گا تو حرام موت مرے گا ____ پانی موجود ہونے کے باوجود نہیں پی رہا ہے، اگر مر جائے گا تو حرام موت مرے گا، کیونکہ یقینی اسباب کے موجود ہوتے ہوئے ان کو ترک کرنا حرام ہے، کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔

اسباب ظنّیہ:

اسباب کی دوسری قسم وہ ہے جن کو ''اسباب ظنیہ'' کہا جاتا ہے، یعنی گمان اس بات کا ہے کہ اگر یہ سبب اختیار کریں گے تو اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا۔ اس نتیجہ کا صرف گمان اور خیال ہے، یقین نہیں۔ مثلاً اگر میں فلاں جگہ ملازمت کے لئے درخواست دوں گا تو ملازمت ملنے کا گمان ہے، یقین نہیں۔ اس کا احتمال ہے کہ ملازمت مل جائے، اور یہ احتمال بھی ہے کہ درخواست رد ہو جائے، یا مثلاً بیماری میں دوا کھاؤں گا، تو اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ شفا ہو جائے، اور لیکن ساتھ میں یہ بھی احتمال ہے کہ فائدہ نہ ہو۔ لہٰذا یہ اسباب ایسے ہیں کہ آن کا نتیجہ ظاہر ہونا یقینی نہیں، بلکہ صرف گمان ہیں، یہ اسباب کی دوسری قسم میں داخل ہیں۔

اسباب ظنّیہ کے ترک کا حکم:

اسباب کی دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کو ترک کرنا بھی عام آدمی کے لئے اور کمزوروں کے لئے جائز نہیں۔ اور اس شخص کے لئے بھی ان اسباب کو ترک کرنا جائز نہیں جس کے ذمے دوسروں کے حقوق ہوں، مثلاً روزی کی تلاش، ملازمت کی تلاش اور اس کے درخواست دینا وغیرہ یہ اسباب ایسے ہیں کہ ان کے نتیجے میں روزگار کا مل جانا یقینی نہیں۔ بلکہ گمان ہے۔ مثلاً اگر میں ٹھیلا لے کر

سامان لے کر بازار جاؤں گا تو مجھے امید ہے کہ میری بکری ہو جائے گی، اور میری آمدنی ہو جائے گی، یا مثلاً دکان کھول کر بیٹھوں گا تو آمدنی ہو جائے گی۔ یہ سب اسباب ظنی ہیں، یقینی نہیں ____ ان اسباب کا ترک کرنا ہم جیسے کمزوروں کے لئے جائز نہیں، اور ہم سب اس کے اندر داخل ہیں ____ اسی طرح جس شخص کے ذمے دوسروں کے حقوق واجبہ ہیں، اس کے لئے ان اسباب کا ترک جائز نہیں۔ مثلاً ایک شخص بڑا طاقت ور ہے، قوی ہیکل ہے، بڑا صحت مند ہے۔ اگر اس پر دس دن کے فاقے آجائیں گے تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ____ لیکن اس کے بیوی بچے بھی ہیں، تم تو فاقہ برداشت کر لو گے، لیکن بیوی بچے کھانا مانگیں گے تو کیا ان کو یہ جواب دو گے کہ میں توکل کئے بیٹھا ہوں، لہٰذا تم بھی توکل کرو، اور کھانا نہیں ملے گا ____ یہ درست نہیں، کیونکہ ان بیوی بچوں کے حقوق تمہارے ذمے واجب ہیں۔ اس لئے اگر تم نے روزگار کی تلاش نہ کی تو گناہ گار ہو گے ____ کیونکہ تم نے بیوی بچوں کا حق فوت کر دیا۔

ایسے شخص کیلئے توکل مستحب ہے:

ہاں! ایک شخص بالکل تن تنہا ہے، اکیلا ہے، نہ اس کی بیوی ہے، نہ بچے ہیں، اور نہ اس کے والدین، اور نہ اس کے ذمے حقوق واجبہ ہیں، اور صحت کے اعتبار سے وہ قوی ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ میں کہاں ملازمتیں تلاش کروں، اور ملازمت کے چکر میں پڑوں، یا تجارت کروں، بس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، جب اللہ تعالیٰ دیں گے، شکر کر کے کھالوں گا، نہیں دیں گے تو صبر کروں گا، اور اگر کئی دنوں تک فاقے بھی آجائیں تو میں شکوہ نہیں کروں گا، نہ مطالبہ کروں گا۔ ایسا

شخص جو قوی الہمت ہے، اور یہ اگر توکل کرے اور اسباب مظنونہ، کو بھی ترک کر دے تو اس کے لئے ایسا توکل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مستحب ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا توکل:

مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ شروع کے دور میں بکریاں بھی چرائیں، تجارت بھی فرمائی، زراعت بھی فرمائی، یہ سارے اسباب اختیار کئے۔ لیکن مدینہ منورہ میں ایک زمانہ ایسا آیا کہ آپ ﷺ نے ان تمام اسباب کو ترک کر دیا، نہ زراعت، نہ تجارت، نہ ملازمت، اور گھر میں تین تین مہینے تک آگ نہیں جل رہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم تین تین چاند دیکھ لیتے تھے اور ہمارے گھر کے چولہے ٹھنڈے ہوتے تھے۔ اور ان میں آگ نہیں جلتی تھی ـــــ ان سے کسی نے پوچھا کہ پھر آپ کا گزارہ کیسے ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ دو چیزوں پر ہمارا گزر بسر تھا، ایک کھجور اور ایک پانی۔ دو وقت پیٹ بھر کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول نہیں فرمایا، اور ساری عمر گندم کی روٹی تناول نہیں فرمائی۔ بلکہ جو کی روٹی تناول فرمائی۔ ان سب حالات کے باوجود آپ ﷺ نے معاش کی تلاش نہیں فرمائی ـــــ لیکن لوگوں کو آپ نے یہی حکم دیا کہ معاش کو تلاش کرو۔ لہٰذا یہ توکل سنت کے خلاف نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔

ایسے شخص کیلئے اسباب مظنونہ کا ترک جائز ہے:

بہر حال! اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کے ذمے دوسروں کے حقوق بھی نہیں، یا دوسروں کے حقوق تو ہیں، لیکن جن کے حقوق ہیں وہ بھی اسی جیسے قوی

الہمت ہوں، یعنی بیوی بچے بھی اسی کی طرح ہوں، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، لیکن زبان پر شکوہ کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا، کسی تکلیف کا اظہار نہیں ہو رہا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے، اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی زندگی گزار رہے ہیں، ہم بھی ویسی ہی زندگی گزاریں گے، ایسے لوگوں کے لئے اسباب مظنونہ کو ترک کرنا اور توکل اختیار کرنا مستحب ہے۔

صوفیاء کرام اور اسباب ظنّیہ کا ترک:

لہٰذا جتنے صوفیاء اکرام سے یہ بات منقول ہے، جیسے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ معاش کے لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے، کئی کئی دنوں تک فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں، لیکن بڑے اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں ____ اب بعض لوگ ایسے بزرگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ یہ صوفیاء کرام خلاف فطرت اور خلاف شریعت کام کر رہے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں ____ حالانکہ ایسے صوفیاء کرام اعتراض کا محل نہیں۔ کیونکہ یہ بھی سنت کا طریقہ ہے، البتہ قوی الہمت انسان کے لئے ہے، ہم جیسے لوگوں کے لئے نہیں، بلکہ ہم جیسے لوگ سبب معاش اختیار کریں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں، لیکن جن حضرات نے قوی الہمت ہونے کی وجہ سے اسباب کو ترک کر دیا ہے ان پر اعتراض بھی نہ کریں۔ اسی بات کو حضرت والا نے اس ملفوظ میں بیان فرمایا ہے:

> ''توکل مستحب کے لئے ضرورت ہے فطرۃً قوتِ قلب، اور حقوق واجبہ کا ذمہ نہ ہونا، یا اہل حقوق کا بھی ایسا ہی ہونا''
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۹)

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں تم جو بھی کام کرو تو جو کام تمہارے کرنے کے ہیں، یعنی اسباب اختیار کرنا، ان کو ضرور اختیار کرو، لیکن بھروسہ ان اسباب پر نہ کرو، بھروسہ صرف اللہ جل شانہ کی ذات پر کرو، اگر ایسا کرو گے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ـــــ توکل کے خلاف یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک نگاہ صرف سبب پر لگی ہوئی ہے، مسبب الاسباب یعنی اللہ جل شانہ کی طرف دھیان نہیں، مثلاً ملازمت کے لئے کبھی ایک دفتر میں درخواست دے رہا ہے، کبھی دوسرے دفتر میں درخواست دے رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا، کہ یا اللہ! میں یہ تدبیر تو کر رہا ہوں، لیکن دینے والی ذات تو آپ کی ہے، آپ عطا فرما دیجئے، یہ بات توکل کے خلاف ہے۔

اسباب میں غلو اور انہماک درست نہیں:

دوسری بات توکل کے خلاف یہ ہے کہ اسباب کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کے اسباب وہ ہیں جو ظاہری اسباب ہیں، اور دوسری قسم کے اسباب وہ ہیں جس میں تعمق اور انہماک ہے ـــــ مثلاً آپ کو کہیں سفر پر جانا ہے، تو اب ایک سبب یہ ہے کہ اچھی سواری کا بندوبست کرلو، لیکن اسباب میں انہماک اور تعمق کرنا، مثلاً یہ کہ فلاں وقت میں گاڑی آتی ہے، مجھے فلاں وقت میں اسٹیشن پہنچنا ہے، لیکن راستے میں کوئی حادثہ پیش نہ آئے، اب ہر ہر مرحلہ کے لئے الگ الگ اسباب اختیار کر رہا ہے یہ غلو فی الاسباب ہے اور توکل کے خلاف ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ

یعنی طلب میں اجمال سے کام لو، اور معمول کے جو اسباب ہیں، بس ان کو اختیار کرو، اسباب اختیار کرنے میں بہت زیادہ کنج کاؤ میں نہ پڑو، بہت زیادہ انہماک میں مبتلا نہ ہو____

داغنے کا علاج غلو فی الاسباب ہے:

اسی لئے ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کا حکم دیا کہ جب تم بیمار ہو جاؤ تو اپنا علاج کرو، دوا استعمال کرو، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی بیماریوں کی دوائیں بھی بتائیں، لیکن بعض علاج کے ذرائع کو آپ نے ناپسند فرمایا، مثلاً ''کئی'' کے ذریعہ علاج کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا، اس زمانے میں جب کوئی دوسرا علاج کارگر نہ ہوتا تو اہل عرب ''کئی'' یعنی داغنے کے ذریعے علاج کیا کرتے تھے، لوہے کی سلاخ کو آگ پر گرم کر کے اس کے ذریعہ جسم کے کسی حصے کو داغتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اس لئے کہ یہ طریقہ علاج تدبیر میں انہماک کرنے میں داخل ہے، اس انتہا تک پہنچنا کسی طرح مناسب نہیں۔

دل کو حرکت دینے والی مشین:

آج کل لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بعض اوقات مریض کے اوپر کئی مشینیں لگا دی جاتی ہیں، اب مشین کے ذریعہ دل کی حرکت چل رہی ہے، مشین کے ذریعہ سانس آ رہا ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر مشین ہٹا دیں گے تو دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔ سانس بند ہو جائے گا، اور آدمی مر جائے گا____ ایسے موقع پر لوگ سوال کرتے ہیں کہ مشین ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر محققین

نے طبّی نقطہ نظر سے بھی اور شرعی نقطہ نظر سے بھی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں، میرے پاس پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب ہے، جس میں یہ بحث کی ہے کہ وہ مشین ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا موت دل کے بند ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا دماغ کے فیل ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے؟ ـــــ

ایسی مشین کو ہٹانا جائز ہے:

یہ ساری بحثیں اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ وہ لوگ مشین لگانا ضروری سمجھ رہے ہیں--- یاد رکھئے، اگر زندگی کسی مشین پر موقوف ہو جائے تو مشین لگانا واجب نہیں ہوتا، بلکہ اس مشین سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے، اس لئے کہ مشین لگانا غلو فی الاسباب میں داخل ہے، لہٰذا مشین جس کے استعمال پر لاکھوں روپیہ کا خرچہ آ رہا ہے اور اس کے بغیر زندگی باقی نہیں رہ سکتی، ایسی مشین لگانا کوئی ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص اس مشین کو نہ لگائے، یا لگا کر پھر ہٹا دے تو اس پر نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں ہوگا۔ بلکہ شاید عدم غلو فی الاسباب کا ثواب مل جائے گا۔ لہٰذا اس مشین کے ہٹانے کے نتیجے میں اس شخص کی جان جاتی ہے تو جانے دے ـــــ اس لئے کہ یہ مشین ان اسباب میں سے نہیں ہے جن کو اختیار کرنا ضروری ہے، بلکہ اس کا استعمال غلو فی الاسباب کے اندر داخل ہے۔

خلاصہ:

بہرحال! توکل کے خلاف دو باتیں ہوئیں، ایک یہ کہ آدمی کی نگاہ صرف اسباب کی طرف ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ نہ ہو ـــــ دوسرے یہ کہ اسباب میں بھی اتنا انہماک اور غلو ہو کہ آدمی آخری درجہ تک چلا جائے، اس کی

بھی ضرورت نہیں، بلکہ فرمایا کہ:

اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیه

بس، سامنے سامنے کی جو سادہ تدبیریں ہیں ان کو اختیار کرو۔ اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو ـــــــ یہ ہے توکل کا حاصل، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے یہ توکل عطا فرمادیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین

✿✿✿
✿